علیہ السلام
امام
زین العابدین
ایک معتبر اور قابلِ قدر کتاب
تالیف: بشیر ندیم

WITH BEST

WISHES

FROM:-

JASNEEM RAZA

'REMEMBER

IN

'DUA'
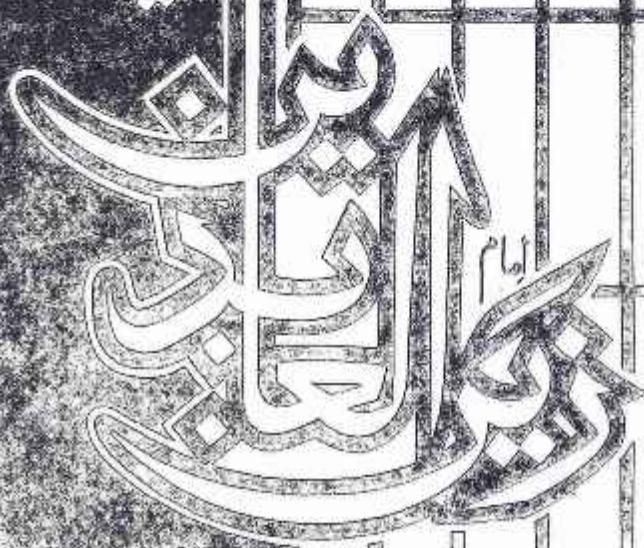
امام
زین العابدین
علیہ السلام
ایک معتبر اور قابلِ قدر کتاب
تالیف: منیر رضا ندیم

تالیف............. نیر ندیم

ناشر............. مسعود زیدی

مونس اکیڈمی۔ کراچی

ٹائیٹل............. عشرت ہانی

اشاعت............. باراول ۱۹۹۷ء

ہدیہ.............

اسٹاکسٹ : خراسان بک سینٹر' بریٹو روڈ سولجر بازار' کراچی

امام
زین العابدینؑ نے فرمایا

پانچ قسم کے آدمیوں کی رفاقت سے پرہیز کرنا چاہئے

- فاسق سے، کیونکہ وہ ہوس کار بنادے گا۔ یعنی لاحاصل چیزوں کی طمع پیدا کردے گا۔
- بخیل سے، کیونکہ وہ مال کو تم سے مقدم سمجھے گا۔
- جھوٹے آدمی سے، وہ بیگانوں کو عزیز اور عزیزوں کو بیگانہ بنادے گا۔
- احمق سے، کیونکہ وہ دوستی میں تم کو فائدہ پہنچانا چاہے گا مگر نقصان پہونچادے گا۔
- قطع رحمی کرنے والے انسان سے کبھی تعلق نہ رکھنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا ہے۔

”جو اہل بیت سے بغض اور دشمنی رکھتا ہے
وہ منافق ہے“

(ابن عدی)

اسم مبارک	علیؑ بن حسینؑ
القاب	زین العابدین سجادؑ
تاریخ ولادت	۱۵ جمادی الاول ۳۸ ہجری
جائے ولادت	مدینہ منورہ
تاریخ شہادت	۲۵ محرم ۹۵ ہجری
جائے شہادت	مدینہ منورہ

حاکم وقت ولید عبد الملک کے ایماء پر زہر دے دیا گیا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے
ارشاد فرمایا ہے۔

”خدا کی قسم کسی مرد مسلم کے دل میں اس
وقت تک ایمان داخل ہی نہیں ہو سکتا۔
جب تک کہ وہ (اے میرے اہل بیت) تم
کو خدا کے لئے اور میرے قرابت دار
ہونے کی وجہ سے دوست نہ رکھے“

(احمد بن حنبل، ترمذی، نسائی)

فہرست

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
ارشاد فرمایا ہے۔

"اللہ کا غضب اس شخص پر نہایت سخت ہوتا ہے'
جو مجھے میرے اہل بیت کے بارے میں ستاتا ہے"

(دیلمی)

عرض ناشر

زیرِ نظر کتاب امام علیؑ بن حسینؑ المعروف سید سجاد اور زین العابدینؑ ہمارے محترم جناب نیر ندیم کی تالیف کردہ ہے۔ اس سے قبل ان کی دیگر تالیفات قبول عام کی سند حاصل کر چکی ہیں جن میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا (نفیس اکیڈمی، کراچی) حضرت ام سلمٰی سلام اللہ علیہا (محفوظ بک ایجنسی) حضرت زینب سلام اللہ علیہا (نفیس اکیڈمی) اور حضرت امام حسن علیہ السلام (ادارۂ تراث اسلامی) بہت معروف رہی ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں یہ تالیف مونس اکیڈمی طبع کرنے کا اعزاز حاصل کر رہی ہے۔ میں نے یہ اکیڈمی اپنی والدہ محترمہ مونس فاطمہ (مرحومہ) کے نام پر قائم کی ہے تاکہ وہ بارگاہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا میں اس تحفے کے ساتھ حاضر رہیں۔

جناب نیر ندیم نے تاریخی شخصیات پر بہت عرق ریزی اور محنت سے کام کیا ہے۔ انہوں نے ریزہ ریزہ چن کر شاندار عمارت تیار کی ہے‘ اس میں انہوں نے عقیدت کی بجائے حقیقت کے اصول کو مدنظر رکھا ہے۔

امام زین العابدینؑ کے بارے میں بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں مگر یہ کتاب بالکل علیحدہ اور منفرد طرز تحریر کی حامل ہے‘ فاضل مؤلف نے معتبر حوالوں کے ذریعہ اس عہد کی ثقافتی تصویر کشی کی ہے۔ اور اس دور میں امام زین العابدینؑ کی شخصیت کی عکاسی کی ہے۔ امام زین العابدینؑ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ جناب نیر ندیم نے بڑی خوبی سے اس عہد کے اجتماعی اور انفرادی پس منظر میں آپؑ کی شخصیت‘ کارناموں اور اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ ہم یہ تالیف اس یقین کے ساتھ پیش کر رہے ہیں

کہ اسے علمی اور تاریخی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا اور اس کے مندرجات پر ایک محقق کی طرح توجہ دی جائے گی۔

صاحب تالیف نے جس اسلوب نگارش اور تجزیہ نگاری کو متعارف کیا ہے وہ اردو ناظرین کے لئے توجہ طلب اور چونکا دینے والا ہے۔ ایک اہم سوال یہ ہے کہ اس جدید دور میں جب لوگ اپنے ماضی سے بے اعتنائی کی طرف راغب ہونے لگے ہیں یا کم علمی کی وجہ سے کج نظری کا شکار ہو رہے ہیں۔ کیا تاریخ کو ہم اسی طور سے دیکھنا چاہیں گے جس طور سے جناب نیر ندیم نے دیکھا ہے؟ میرا خیال یہ ہے کہ اس کا جواب اثبات میں ہے۔

مسعود زیدی

مونس اکیڈمی۔ کراچی

عرض مصنف

امام زین العابدینؑ علیہ السلام کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپؑ کے بارے میں کچھ تالیف کرنا دراصل خود کو سلسلہ کرامت سے وابستہ کرنے کے مترادف ہے۔ اس خانوادے سے وابستگی ہی میں زندگی ہے۔ اس دروازے کی گدائی تخت و تاج سے افضل ہے۔

عرصہ دراز سے میری خواہش تھی کہ میں سلسلہ امامت کے چوتھے چراغ یعنی حضرت علیؑ بن حسینؑ کے حوصلے اور بصیرت پر تاریخ کی روشنی میں تالیف حقائق سرانجام دوں۔ زیر نظر کتاب محض چند دنوں یا مہینوں کی محنت نہیں بلکہ برسوں کے ریاض کا نتیجہ ہے۔ یہ اہل علم کی خدمت میں منکسرانہ کوشش ہے تاہم اس کا مقام یقیناً" بہت اعلیٰ و ارفع ہے کیونکہ یہ اس عظیم شخصیت کے بارے میں ہے جس پر اسلام فخر کر سکتا ہے۔

ادب امامیہ میں تصنیف و تالیف کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ہر زمانے اور عہد میں اہل قلم نے ہزاروں صفحات رقم کر دیئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ادب امامیہ کا پلڑا بہت وزنی ہے۔ دیگر مکاتب فکر کی تاریخی شخصیات پر تو چند ہی کتب دستیاب ہیں جب کہ ہمارے مصنفین اور مولفین نے عقیدت کا عملی اور علمی حق ادا کر دیا ہے۔

مجھے اپنی تالیف کے تحقیق منصب پر کچھ کہنا اچھا نہیں لگتا اس کا اندازہ تو دانشوران ملت ہی لگائیں گے۔

میں علامہ ابن حسن نجفی صاحب قبلہ و کعبہ کا احسان مند ہوں کہ آپ نے اس کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اس کے مندرجات سے اتفاق کیا۔

قبلہ حسن ظفر نقوی عالم باعمل ہیں۔ میں ان کے معتقدوں میں شامل ہونے کو اعزاز سمجھتا ہوں۔ انہوں نے مجھے اہم مشوروں سے نوازا۔

اس کتاب کے ناشر جناب مسعود زیدی ایک معروف صحافی ہیں۔ وہ محبت اہل بیت

ؑمیں سرشار ہیں اس لئے وہ کسی ایسے کام کو نظرانداز نہیں کرتے جس سے اہل بیتؑ کی بارگاہ میں حاضری ممکن ہو۔ اس کتاب کو بہتر سے بہتر انداز میں شائع کرنے کا سہرا ان ہی کے سر جاتا ہے۔ جناب غلام محمد غوری کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جن کی وجہ سے اس کتاب کی اشاعت میں صرف سات دن لگے۔

جب میں تالیف کے کٹھن مگر خوش گوار فریضے میں مصروف تھا تو جناب مدبر رضوی، اسکرپٹس ایڈیٹر پاکستان ٹیلی ویژن نے بہت سی کتابیں مجھے فراہم کیں یوں ثواب میں وہ بھی شامل ہیں۔

نیر ندیم

پہلا باب

معرفت کی جانب

امام زین العابدینؒ اپنے اسم مبارک کی بجائے اپنے القاب سے زیادہ معروف ہیں۔ آپ نے عبادت الٰہی میں جس خضوع و خشوع سے زندگی بسر کی اس کی بناء پر انہیں تاریخ اسلام نے سجادؒ اور زین العابدینؒ کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ وہ القاب ہیں جن سے پوری تاریخ میں کوئی فرد منسوب نہیں ہوسکا ہے اگرچہ آپ کا اپنا عہد اس بات کا گواہ ہے کہ حکمران طبقہ اور اس کے لواحقین اہل بیت رسولؐ کو ہر طرح سے نقصان پہنچانے کی کوششوں میں مصروف تھے اور یہ سلسلہ خلافت بنی امیہ کے بعد خلافت بنی عباس تک جاری رہا۔ تاہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کا یہ معجزہ ہے کہ حضورؐ کے اہل بیت کے خلاف کردار کشی کی ہر مہم ناکام رہی۔ اور یہ آئمہ اہل بیتؑ کی عزتوں میں کمی نہیں آئی۔

امام زین العابدینؒ نے جس عہد کا سامنا کیا وہ یزید، مروان، حکم بن عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک کا دور تھا۔ یہ لوگ اپنی انفرادی حیثیت میں بدمعاملگی، بدطینتی اور غیر اخلاقی اقدار کے حامل تھے، ان کی جانب سے اپنے حامی عناصر کی پشت پناہی نے خواص کا ایک ایسا طبقہ پیدا کردیا تھا جو مراعات یافتہ تھا اور زندگی کے وسائل پر قابض تھا۔ دوسری جانب ایک ایسا محروم طبقہ وجود میں آرہا تھا جو بہت سی معاشی اور سماجی محرومیوں کی وجہ سے خواص کی توجہ کو اپنے لئے باعث عزت سمجھنے لگا تھا۔ اگرچہ خواص اور عوام کی یہ تفریق حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد پیدا ہوگئی تھی۔ مگر ان دونوں طبقوں کے درمیان اقدار کا تصادم، معاشرتی اخلاقیات کی پامالی، انفرادی اور سماجی سطح پر عزت نفس کی جانب سے لاپرواہی نے جو صورت اختیار کی

اس کا تجربہ حضرت علیؑ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے مقابلے میں سب سے زیادہ حضرت سجادؑ کو ہوا۔ ایسی صورت میں امام سجادؑ نے جس طور سے شخصی وقار اور عبادت کی حرمت کو معاشرے کی نگاہ میں پروقار بنانے میں کامیابی حاصل کی وہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو نیکی سے ایک لحہ بھی خالی نہیں رہنے دیا ہے۔

امام زین العابدینؑ نے اس پر آشوب دور میں جب کہ حکمران اسلامی شعار کو عوام الناس کے استحصال کے لئے استعمال کرنے کی بدعت میں مبتلا تھے' اور شریعت کی کھلم کھلا حکم عدولی ہو رہی تھی۔ ایک اہم کارنامہ یہ انجام دیا کہ معاشرے نے متفق طور سے آپؑ کو عابدوں کی زینت سے تعبیر کیا۔ یہ آپؑ کی اسی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ حج کے موقع پر ہشام اپنے کروفر کے باوجود سنگ اسود کا بوسہ لینے سے قاصر تھا۔ اور حضرت سجادؑ کے لئے مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا تھا۔

عبدالملک بن مروان کے بیٹے ہشام نے ایک بار حج کا قصد کیا۔ وہ اپنے پورے کروفر کے ساتھ طواف کعبہ کے لئے پہنچا۔ مگر ہجوم نے اسے ذرا سا موقع نہ دیا تو وہ اپنے خدام کے ساتھ ایک جانب ہو گیا' تاکہ ہجوم کم ہو تو وہ طواف کعبہ کرے اسی دوران امام زین العابدینؑ تشریف لائے تو لوگوں نے پوری عقیدت اور احترام سے جگہ دی۔ امامؑ نے سنگ اسود کو بوسہ دیا۔ ارکان حج ادا کئے اور چلے گئے۔ اس موقع پر ہشام کے ہمراہوں نے اپنے آقا سے دریافت کیا۔

"یہ کون شخص تھا۔"

ہشام نے پہچاننے کے باوجود۔ اس کے جواب میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس نے بڑی رکھائی سے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم' میں اس شخص کو نہیں جانتا۔"

اس موقع پر فرزدق جیسے شاعر سے نہ رہا گیا۔ اس نے ولی عہد سلطنت کے جاہ و جلال کو نظرانداز کر دیا۔ اور بے دھڑک ایک فی البدیہ قصیدہ بلند آواز میں کہنا شروع کر دیا۔

"یہ وہ ہیں جن کے قدم کو مکہ پہچانتا ہے' خانہ کعبہ اور حل و حرم پہچانتے ہیں۔"

"جب قریش ان کو دیکھتے ہیں تو ان کا کہنے والا کہتا ہے کہ ان کی جوانمردی پر کرم کا

خاتمہ ہوا ہے۔"

"عزت کی بلندی پر اس طرح سرفراز ہے کہ عرب اور عجم کے مسلمان اس سلسلے میں قاصر ہیں۔"

"اس کے جد کے سامنے انبیاء کا فضل فرماں برداری کرتا ہے اور امت کے سامنے دوسری امتیں ہیچ ہیں۔"

"اگر تو ان سے ناواقف ہے تو حضرت فاطمہؑ کے فرزند ہیں اور ان کے جد خاتم الانبیاء ہیں۔

"ان کو غصہ میں لانے سے شیر کا سامنا آسان ہے اور ان کی خفگی سے موت بہتر ہے۔"

"انہوں نے کبھی بجز تشہد کے لا نہیں کہا۔ اگر تشہد نہ ہوتا تو ان کا "لا" لا بھی ہوتا۔"

"یہ اس گروہ سے ہیں جس کی محبت دین ہے ان کا بغض کفر ہے' ان کا قرب نجات ہے۔"

"فرزدق نے ہشام اور اس کے ہوا خواہوں کو مجمع عام میں مخاطب کر کے ان کے جھوٹے کروفر کے محلات منہدم کر دیئے۔ اسے اپنے اس عمل کے لئے امام زین العابدین کی طرف سے انعام ملا اور ہشام کی جانب سے قید کیے جانے کا حکم۔ یہی وہ موقع ہے جب امام زین العابدینؑ نے اہل بیت رسولؐ کے عطا کردہ انعامات کے بارے میں ایک اصول بیان کیا۔

امامؑ نے فرزدق کے لئے انعام بھیجا' فرزدق نے انعام آنکھوں سے لگایا اور یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اس قصیدہ سے خدا اور رسولؐ کی خوشنودی مطلوب تھی۔ امامؑ نے جواب میں کہلا بھیجا۔

"مجھے یقین ہے کہ تمہارا جذبہ خدا اور رسولؐ کے خوشنودی کی خاطر تھا تاہم ہم اہل بیت جب کسی کو کوئی چیز دے دیتے ہیں تو اس کو واپس نہیں لیتے' رہا ثواب تو وہ آخرت میں محفوظ ہے۔"

امامؑ سے منسوب یہ واقعہ اگرچہ بظاہر عام سے بات معلوم ہوتا ہے۔ حکمران ٹولے کی عدم معرفت کے بہت سے واقعات ہیں' حکمرانوں نے اہل بیتؑ کے استحقاق اور

حقوق کی پامالی میں بڑے بڑے اقدامات کئے ہیں ظلم اور کردار کشی کے سینکڑوں واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ عوام الناس میں بھی ایسے افراد ملتے ہیں جنھوں نے حکمرانوں کے تشدد کو برداشت کیا۔ مگر اہل بیتؑ سے محبت کے اظہار میں کمی نہ آنے دی۔ مگر امامؑ کا یہ واقعہ تاریخ نے محفوظ رکھنے میں ایک ایسی حکمت عملی اختیار کی ہے۔ جس کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ واقعہ تاریخی پس منظر کا پیش منظر ہے اور آئندہ ہونے والے واقعات کی نشاندہی کرتا ہے۔ دراصل ہشام ایک ایسی ذہنیت کی علامت تھا' جو اہل بیت رسولؐ کے حقوق کو پہچاننے کے باوجود انہیں پہچاننے سے منکر تھی۔

امام حسنؑ کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ان کے زمانے میں لوگوں کو اچھی طرح یاد تھے مگر ان کو ایذائیں دینے میں کسی کو باک نہیں تھا۔ مروان بن حکم تو ان کے سامنے حضرت علی کو برا بھلا کہتا تھا اور اگر امام حسنؑ دور بیٹھتے تو وہ قریب جاکر مغلظات بکتا۔ جب امام حسنؑ زہر کی وجہ سے شہید ہوگئے تو ان کا جنازہ حضور اکرمؐ کے قریب دفن نہیں ہونے دیا گیا یہاں تک کہ جنازے پر تیر برسائے گئے۔

امام حسین علیہ السلام کو سب جانتے تھے۔ کربلا میں مقابل لشکر کا سپہ سالار عمر بن سعد' صحابی سعد بن ابی وقاص کا فرزند تھا' اس نے اپنے لشکر کو گواہ بنا کر حسینؑ کے لشکر کی طرف پہلا تیر پھینکا۔

یہ مثالیں اس امر کی گواہی دیتی ہیں کہ بہت سے افراد اہل بیتؑ کے احترام اور عزتوں سے خوفزدہ تھے اور وہ اس بات کے خواہاں تھے کہ کسی نہ کسی طرح اہل بیتؑ رسولؐ کو دنیا کی نگاہوں سے چھپادیں۔ تاکہ ان کے اعمال کو لوگ اہل بیتؑ کے کردار کی روشنی میں نہ دیکھیں۔ بات یہ تھی کہ اسلام نے جن اقدار زندگی کا حکم دیا تھا اہل بیت ان اقدار کا مکمل عملی نمونہ تھے۔ جبکہ اہل دنیا نے جو طریقے اپنائے تھے ان میں لوگوں کا استحصال عیش پرستی دھوکے اور سازشوں کی خوبو تھی۔ اس دو متضاد طرز زندگی اور متصادم فلسفہ حیات نے اہل دنیا کو مجبور کردیا تھا کہ وہ اہل بیتؑ کو نظرانداز کریں۔ اور ایسے اقدامات کریں کہ دیگر لوگ بھی ان سے واقف نہ ہوسکیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب حضرت علیؑ کی شہادت کی خبر اہل شام کو پہنچی تو ایک شامی نے حیرت سے کہا کہ "علیؑ مسجد میں کیوں گئے تھے" اس کے اور دیگر اہل شام کے نزدیک حضرت علیؑ کا

اسلام ہی نا قابل یقین تھا۔ اہل بیتؑ سے لوگوں کو ناواقف رکھنے کی مہم اس تیزی سے چل رہی تھی کہ جب اسیران کربلا کا قافلہ ایک بستی سے گزرا تو لوگوں نے بچوں کو صدقہ دیا۔ بی بی ام کلثومؑ نے بچوں کو روکا اور کہا کہ صدقہ اہل بیتؑ پر حرام ہے۔ اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ قیدی رسولؐ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

اسیران کربلا کا ایک اور واقعہ امامؑ کی ذات سے منسوب ہے۔ یہ قافلہ شام کے ایک بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک ہجوم کی وجہ سے رک گیا۔ ایک بوڑھا شخص آگے بڑھا اور اس نے بلند آواز سے کہا۔

"خدا کا لاکھ شکر ہے کہ اس نے تم لوگوں کو ہلاک کیا۔ اور فتنہ و فساد کو ختم کیا۔"

امامؑ نے جن کے ہاتھ پیروں میں بیڑیاں تھیں اس کی طرف دیکھا اور کہا "تو نے قرآن مجید میں نہیں پڑھا۔

"اے رسولؐ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم لوگوں سے کوئی اجر رسالت نہیں چاہتا ہوں مگر یہ کہ تم میرے اہل بیتؑ سے محبت رکھو۔" (شوریٰ)

امامؑ نے مزید ایک آیت کی تلاوت فرمائی۔

ترجمہ: "یہ جان لو جو کچھ تمہیں مال غنیمت ملے اس میں سے پانچواں حصہ 'خدا' رسولؐ اور قرابت داروں کا حق ہے۔" (انفال)

اس بوڑھے شامی نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہارا ان آیات کی تلاوت سے کیا مقصد ہے؟"

امامؑ نے ایک اور آیت پڑھی۔

ترجمہ: خدا نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ اے اہل بیتؑ وہ تم کو ہر قسم کی نجاست اور پلیدگی سے دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ قرار دے جو پاک و پاکیزہ قرار دینے کا حق ہے۔" (احزاب)

اس کے بعد امامؑ نے فرمایا وہ قرابت دار رسولؐ ہم ہی ہیں جو آج اسیر ہیں۔ تب کہیں جا کر اس بوڑھے شخص کو احساس ہوا کہ وہ کن لوگوں کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوا تھا۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہشام نے دراصل امام زین العابدینؑ کی

جانب سے اپنے لاعلمی کا اظہار محض اس وقت کی ذاتی خفت پر نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس کا یہ عمل دشمنان اہل بیت کی ایک قدیم حکمت عملی کا نتیجہ تھا۔ یہ لوگ اہل بیتؑ کو پہچانتے تھے مگر اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ اہل بیتؑ کی معرفت عوام الناس کے دلوں تک نہ پہنچے۔

جب اسیران کربلا کا قافلہ دمشق میں داخل ہوا تو ایک شخص ابراہیم بن طلحہ نے امام زین العابدینؑ کو دیکھ کر ایک بہت چبھتا ہوا سوال کیا۔(۱)

"اے فرزند حسینؑ۔ دیکھا' اس معرکے میں کس کی فتح ہوئی؟"

امامؑ نے جواب دیا۔

"جب اذان کی آواز تیرے کانوں میں آئے تو تجھے معلوم ہو گا کہ کسے فتح ہوئی اور کون شکست خوردہ ٹھہرا۔"

اہل بیت رسولؐ کو ان عناصر کا مقابلہ کرنا تھا جو معاشرے کے تمام وسائل پر قابض تھے اور وہ اہل بیت کے خلاف کردار کشی کی مہم میں سرگرم تھے۔ اس طرح وہ اسلامی اقدار کو چھپانے کے درپے تھے' اگر لوگ اہل بیتؑ سے واقف ہوتے تو شریعت کی تعبیر کے لئے ان سے رجوع کرتے۔ ظاہر ہے کہ شریعت ظلم و ستم' ذخیرہ اندوزی' غلامانہ سماج اور دولت کے ارتکاز کے خلاف ہے۔ جب کہ حکمران تمام تر غیر شرعی امور میں مبتلا تھے اور اپنے اعمال کو شریعت کا عکس قرار دے رہے تھے ایسی صورت میں وہ اہل بیتؑ رسولؐ کو محدود کرنے اور ان کے افکار کو عام نہ ہونے کی پالیسی اپنائے ہوئے تھے۔ اہل بیتؑ نے ایسے نامساعد حالات میں اپنے افکار کو شریعت کی حفاظت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اور رفتہ رفتہ وہ معاشرے میں سرایت کر رہے تھے۔

حکمران تو اہل بیتؑ کی دشمنی پر آمادہ تھے مگر معاشرے میں فرزدق جیسے لوگ بھی تھے جو حکمرانوں کے ظلم و تشدد سے برسرپیکار ہو کر اہل بیتؑ رسولؐ کی محبت میں سرشار تھے۔ ان میں ابوذر غفاریؓ' میثم تمارؓ' حجر ابن عدیؓ کی مثالیں ہیں۔ سب نے اپنے طریقے سے حق کی معاونت کی۔ فرزدق نے شعر کہہ کر اہل بیتؑ کی خدمت انجام دی۔ مالک اشترؓ نے تلوار سے یہ حق ادا کیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب مالک اشترؓ شہید ہوئے تو انہوں نے ایک وصیت کی تھی۔

"میری تلوار میری ساتھ دفن کرنا۔ ابھی دشمن سے جنگ ختم نہیں ہوئی۔"

مالک اشتر کا کہنا درست تھا' ایک طبقے نے اہل بیتؑ کے خلاف اپنی مہم جاری رکھی۔ ایذا رسانی' زہر اور تلوار سے اہل بیتؑ کو نقصان پہنچانے کی رسم جاری رہی اور یہاں تک کہ مورخ کو کہنا پڑا "آسمان کے افق پر اولاد علیؑ کے خون کی سرخی سب سے نمایاں ہے۔"

یہ سلسلہ ظلم یزید' مروان' حجاج بن یوسف متوکل وغیرہ کے روپ میں جاری رہا۔

پر آشوب دور

امام زین العابدینؑ نے ۳۸ ہجری میں ولادت پائی اور ستاون برس کی عمر میں ۹۵ ہجری میں شہادت پائی۔ یہ ستاون برس آپ نے اس صورت میں بسر کیے کہ اہل بیتؑ سے مخاصمت رکھنے والے اپنی گستاخیوں میں بہت بے باک تھے۔ وہ تشدد' جھوٹ' سازش اور بہروپ بدل بدل کر اہل بیتؑ رسولؐ کے خلاف متحد تھے۔

آپ کی پیدائش کے وقت مسلمان واضح طور سے دو حصوں میں تقسیم تھے ایک وہ لوگ تھے جو علیؑ کی دوستی میں مستحکم تھے۔ دوسری طرف ایسے عناصر باہم شیر و شکر ہو گئے تھے۔ جو علیؑ سے اپنے مفادات کو تحفظ دینے کا مطالبہ کر رہے تھے مگر علیؑ نے خلافت پر متمکن ہوتے ہی اپنی معاشی پالیسی کا واضح اعلان کیا۔

"جو کچھ بھی سرکاری املاک سے مختلف لوگوں کو بخشا گیا اور مال خدا میں سے جو کچھ دوسروں کو دے دیا گیا ہے میں سب کو دوبارہ بیت المال میں شامل کرتا ہوں۔ حق کو کوئی طاقت باطل میں نہیں بدل سکتی اور نہ ہی اس کو ختم کر سکتی ہے اگر یہ مال و دولت عورتوں کی شادیوں اور کنیزوں کی خرید و فروخت میں صرف کیا گیا ہو تو بھی میں واپس لاؤں گا"

"حضرت علیؑ کی معاشی پالیسی نے ایسے تمام افراد کو پریشان کر دیا۔ جو دولت کے انبار جمع کیے ہوئے تھے ان میں حضرت زبیر بن العوام اور حضرت طلحہ بھی تھے ایک سمت تو دولت کے جانے کا خدشہ اور دوسری طرف ان کو بصرے اور حجاز کی ولایت درکار تھی۔ جسے علیؑ نے مسترد کر دیا تھا۔ اس لئے یہ لوگ علیؑ کے مخالف ہو گئے اور انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی حضرت علیؑ کے مقابل لا کھڑا کیا۔ اس پر حضرت عائشہؓ ہمیشہ نادم رہیں۔

حضرت علیؑ کے دوسرے حریف امیر معاویہ تھے اور دیگر بنی امیہ اس مخالفت میں امیر معاویہ کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ حالانکہ اصحاب کی بڑی تعداد علیؑ کے ساتھ تھی۔ مثلاً جنگ صفین میں

حضرت علیؓ کی حمایت میں جنگ بدر کے شرکاء میں سے ستر' بیعت رضوان کے سات سو صحابیؓ مہاجرین و انصار سے چار سو افراد جنگ میں مصروف پیکار تھے۔ جب کہ امیر معاویہ کی جانب صرف دو اصحاب تھے۔ ۳

امام زین العابدینؑ ابھی خرد سال تھے کہ حضرت علیؓ کے مخالفین کا ایک اور گروہ منظر عام پر آگیا۔ یہ گروہ خوارج کا تھا۔ آخر اس گروہ کے ایک فرد عبدالرحمان ابن ملجم نے حضرت علی کو مسجد کوفہ میں شہید کردیا۔ حضرت علیؓ کے بعد امام حسنؑ تخت خلافت پر متمکن ہوئے ان پر ایک بار ایک خارجی نے حملہ کیا۔ امام حسن نے صلح کرلی مگر صلح کی شرائط پر عمل درآمد نہ ہوا۔

امام حسنؑ کی شہادت ۵۰ ہجری میں ہوئی۔ اس وقت امام زین العابدینؑ کی عمر بارہ برس تھی۔ امام حسنؑ کی شہادت جن حالات میں ہوئی' اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دشمن کی سازشوں کا جال گھر کی چار دیواری تک پہنچ گیا تھا۔ امام حسنؑ کی وہ زوجہ جو زہر دینے کی مجرم ہیں اس شخص کی صاحبزادی ہیں جس نے جنگ صفین کے موقع پر حضرت علیؓ سے علیحدگی اختیار کرنے میں عجلت کی تھی اور دراصل یہ شخص اس طبقہ کا نمائندہ تھا جس نے علیؑ کی حمایت اس لئے نہیں کی تھی کہ علی حق پر تھے بلکہ یہ طبقہ اس لئے حضرت علیؑ کا حامی تھا کہ مصلحت وقت یہی تھی' ایسے بہت سے لوگ جنگ جمل میں علیؑ کی فتح کے بعد حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل تھے تاہم ان کے دلوں میں حضرت علیؑ کی حمایت کا جذبہ راسخ نہیں تھا۔ ان میں ہی اشعث بن قیس تھا جس کی لڑکی امام حسنؑ کی زوجیت میں تھی اور جس نے امامؑ کو زہر دے دیا۔ ۴

اشعث بن قیس' حضورؐ کی وفات کے بعد مرتد ہوگیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں حضرت ابوبکرؓ نے خود اس کی جاں بخشی کی تھی اور اپنی بہن ام فروہ کی اس شخص سے شادی کردی تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کی خاص اہمیت نہیں تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور حکومت میں فارس میں کسی خاص جگہ کا حاکم بنادیا۔ حضرت علیؓ نے مال کو خرد برد کرنے کی وجہ سے اسے معزول کردیا تھا۔ آپ نے اسے اپنے ساتھ رکھا۔ تاکہ اصلاح ہوسکے مگر جب جنگ صفین میں تحکیم کا مسئلہ آیا تو اس شخص نے جنگ روکنے کے لئے سب سے زیادہ دباؤ ڈالا۔ اس شخص کی بیٹی جعدہ بنت اشعث تھی اس نے امیر معاویہ کی سازش سے حضرت امام حسنؑ کو زہر دے دیا۔ امیر معاویہ نے جعدہ کو اس لئے منتخب کیا تھا کہ اس کا باپ حضرت علی کے خلاف سازش میں شریک رہتا تھا۔ اور حضرت علیؑ کو ناپسند کرتا تھا۔

امام زین العابدین نے امام حسنؓ کے ساتھ دنیا کا سلوک دیکھا' وہ امام حسنؓ کی تربیت میں پرورش پا رہے تھے' انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ ان کا جنازہ گھر سے دفن ہونے کے لئے نکلا مگر بغیر دفن ہوئے ایک بار اس طرح واپس آیا کہ اس پر تیر چبھے ہوئے تھے۔

امام حسین علیہ السلام اب دشمنی کا ہدف تھے۔ اچانک امیر معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ اور اسی قبیل کے دوسرے افراد کی حمایت حاصل کر کے یزید کو تخت حکومت پر نامزد کر دیا۔ امام حسینؓ دشمنوں کے لئے ایک پریشان کن شخصیت بن گئے۔ ایک بار امیر معاویہ نے امام حسینؓ کو براہ راست دھمکی دی اس نے امام حسینؓ کو قربانی کے لئے ایسے جانور سے تشبیہ دینے کی جسارت کی جو قربانی کے لئے ہمک رہا ہو۔

"خوشی اور بہتری نہ ہو قربانی کے اس اونٹ کے لئے جس کا خوں بہایا۔ حضرت امام حسینؓ نے فرمایا۔

"میں ان باتوں کا سزاوار نہیں ہوں۔"

معاویہ نے کہا "تم ان سے زیادہ بڑی باتوں کے سزاوار ہو۔"

یہ تھا امیر معاویہ کا ارادہ جسے عملی جامہ پہنانے میں مروان بن حکم' زیاد بن ابیہ یعنی امیر معاویہ کے غیر شرعی بھائی اور عمر ابن سعد نے بھرپور مدد کی۔ مروان تو مدینہ منورہ میں عامل مدینہ ولید بن عتبہ کو مجبور کر رہا تھا کہ وہ امام حسینؓ کو اپنے دارالامارہ میں بلا کر قتل کر دے۔ امیر معاویہ کے انتقال کے بعد یزید نے حاکم مدینہ ولید کو لکھا کہ وہ امام حسینؓ سے بیعت طلب کرے۔ ولید نے امام حسین کو ایک شام طلب کیا۔ امام حسینؓ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ مجھ جیسا شخص خفیہ بیعت نہیں کر سکتا۔"

"صبح تک صبر کرو تاکہ ہم دیکھیں کہ ہم میں سے کون اس کا اہل ہے۔" اس پر مروان بن حکم نے کہا۔

"خدا کی قسم ولید اگر حسینؓ ابن علیؓ اس دروازے سے باہر نکل گئے تو کبھی بیعت نہیں کریں گے انہیں قید کر لو اور جانے مت دو ان سے ابھی بیعت لو یا سر قلم کر دو۔"

امام حسین غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے فرمایا۔

اے نیلی آنکھوں والی عورت کے فرزند' تو مجھے قتل کرے گا!

یہ تھی وہ صورت حال جس میں اہل بیتؓ زندگی بسر کر رہے تھے اور اس کے بنیادی ہدف یقیناً امام حسنؓ کے بعد امام حسینؓ اور امام حسینؓ کے بعد امام زین العابدین ہی شخصیت تھی۔

اہل بیت کے دشمنوں نے آخر کار وہ صورت پیدا کردی کہ امام حسینؑ کو وطن ترک کرنا پڑا اور کربلا کا وہ واقعہ پیش آیا۔ جس نے بنی امیہ کے ارادوں اور طبیعت کی قلعی کھول دی۔ بنی امیہ اس وقت سے علیؑ اور اولاد علیؑ سے برگشتہ تھے جب خلافت اول کے موقع پر حضرت علی نے بنی امیہ کے جد امجد ابو سفیان کی حمایت کو مسترد کردیا تھا۔ بنی امیہ اپنی اس ندامت کو چھپانے میں علیؑ اور ان کی اولاد کے خون بہانے پر تیار تھے۔ کربلا میں انہوں نے اس میں کامیابی تو حاصل کرلی مگر اپنے خلاف ہمیشہ کے لئے ایک ایسا محاذ بنالیا جس پر وہ قابو نہ پاسکے۔ خون حسینؑ کے انتقام کی آوازوں نے بنی امیہ کو تشدد اور ظلم کے آخری حربے اپنانے پر مجبور کردیا۔ مگر ان کی حکومت اس طرح روبہ زوال ہوئی کہ دیکھتے دیکھتے ان کے خاندان کے نام لیوا نہ رہے۔ توابین حضرت مختار اور بنی عباس کی تحریکوں کے پیچھے خون حسین کا نعرہ کار فرما رہا۔

امام زین العابدینؑ کربلا کے سانحہ کے وقت بیمار تھے اس لئے شہید نہ ہوسکے۔ ابن زیاد نے بھرے دربار میں امامؑ کو قتل کروانا چاہا۔ مگر باز رہا۔

امام زین العابدینؑ کے خاندان کے ساتھ دشمنی کا سلسلہ آپؑ کے زمانے میں کربلا تک پہنچ گیا تھا مگر بات صرف اہل بیتؑ کو ایذا دینے تک محدود نہیں تھی۔

اہل بیت کے حامی بھی اس کا شکار تھے۔ اہل بیتؑ سے دشمنی کا ایک واقعہ حجاج بن یوسف سے منسوب ہے۔ حجاج بن یوسف کو عبدالملک بن مروان نے بصرہ اور کوفہ کا والی قرار دیا تھا۔ اس کے ظالم ہونے کی گواہی خود حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔

"ولید شام میں، حجاج عراق میں قرہ بن شریک مصر میں، عثمان بن جبان حجاز میں، محمد بن یوسف یمن میں۔ خدا کی قسم زمین ظلم وجور سے بھر گئی ہے۔"

حجاج بن یوسف علیؑ اور اولاد علی کا بے حد دشمن تھا۔ اس نے اس سلسلے میں جو ظالمانہ کارروائیاں کی ہیں اور جس جس طرح علیؑ سے اور اہل بیت رسولؑ سے دشمنی کا اظہار کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ایک شخص نے حجاج بن یوسف کے سامنے اپنی اور اپنے قبیلے کی فضیلت اس طرح بیان کی۔

"جنگ صفین میں ہمارا صرف ایک آدمی علیؑ کے ساتھ تھا اور وہ بہت برا تھا۔ ہماری عورتوں نے منت مانی تھی کہ حسینؑ کے قتل پر ہر عورت ایک اونٹ ذبح کرے گی۔ ہم نے کبھی علیؑ پر لعنت بھیجنے میں تاخیر نہیں کی بلکہ حسنؑ اور حسینؑ کو بھی اس میں شامل کرلیا۔" (ابن ابی الحدید)

حجاج بن یوسف نے کہا۔

"بے شک یہ تیرے اور تیرے قبیلے کے فضائل ہیں۔"

امام زین العابدینؑ کے ایک شاگرد حضرت سعید بن جبیر تھے انہیں حجاج بن یوسف نے گرفتار کرا کر دربار میں رسن بستہ کھڑا کر دیا۔ اور کہنے لگا۔

"تمہارا نام سعید بن جبیر کے بجائے شقی بن کسیر ہونا چاہیے۔"

(خوش قسمت شخص جو ایسے شخص کا فرزند ہو جس کی ہر کمی پوری ہو گئی ہو کی بجائے شقی ابن شکستہ حال)

جناب سعید نے کہا۔

"میری ماں کو میرا نام بہتر طور سے معلوم ہے۔"

حجاج بن یوسف نے کہا۔

"تم کس طرح قتل ہونا پسند کرو گے؟"

حضرت سعید نے کہا۔

"جس طرح چاہے قتل کر دے مگر یاد رکھ قیامت کے دن تجھے خدا بھی اسی طرح قتل کرے گا۔"

جب سعید بن جبیر کو قتل کرنے کے لئے مخصوص چٹائی پر بٹھا دیا گیا تو حضرت سعید نے قبلہ رو ہو کر سورہ انعام کی ایک آیت تلاوت کی۔

ترجمہ: اپنے رخ کو اس ذات کی طرف کر رہا ہوں جس نے آسمان اور زمین کو زیور وجود سے آراستہ کیا۔ میں مسلمان ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں)

حجاج بن یوسف نے حکم دیا کہ حضرت سعید بن جبیر کا رخ کعبہ سے کسی اور طرف موڑ دیا جائے۔ کارندوں نے زبردستی ان کو دوسری طرف موڑ دیا۔ حضرت سعید نے اور آیت پڑھی۔

(ترجمہ: جس طرف رخ کرو' خدا اسی طرف ہے۔ بقرہ)

اس کے بعد حجاج بن یوسف کے حکم پر امام زین العابدینؑ کے اس محب کو منہ کے بل زمین پر گرا دیا تو انہوں نے ایک آیت تلاوت فرمائی۔

"ہم نے تم کو خاک سے پیدا کیا پھر خاک میں واپس لے جائیں گے اور پھر تم کو دوبارہ خاک سے اٹھائیں گے۔"

اس کے چند لمحوں کے بعد جلاد کی تلوار نے حضرت سعید کا سر قلم کر دیا۔

حضرت سعید کا بس یہی جرم تھا کہ وہ اہل بیت کے محب تھے۔
اہل بیت کے محبوں کے ساتھ ظلم و ستم کی یہ داستان بہت طویل رہی ہے اس میں حضرت ابوذر غفاری کا اسم گرامی بھی ہے میثم تمار ہیں' محمد بن ابوبکر بھی ہیں' حجر ابن کندی ہیں عمرو بن حمق ہیں اگرچہ اس کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس وقت امام زین العابدینؑ کے عہد تک چیدہ چیدہ واقعات ہی مقصود ہیں حضرت محمد ابن ابوبکر' جو حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے ہیں اور حضرت علیؑ کی تربیت میں پلے بڑھے تھے انہیں مصر میں جس طرح شہید کیا گیا وہ ظلم کی داستان ہے' آپ کو زندہ ایک گدھے کی کھال میں بند کر کے مصر کے گلی کوچوں میں اس طرح گھسیٹا گیا کہ آپ شہید ہو گئے۔ حضرت سعید بن جبیر بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ جس میں ایک نام حضرت حجر ابن عدی کا ہے ان کے سلسلے میں حضرت حسن بصری کا قول ہے۔
"معاویہ کی چار باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہوتی تو ان کی ہلاکت کے لئے کافی تھی۔ زبردستی خلافت پر قبضہ' اپنے شریر بیٹے کو خلیفہ نامزد کرنا' زیاد کو اپنا بھائی بنانا' اور حجر بن عدی کو قتل کرنا۔"
اہل بیتؑ اور ان کے حامیوں سے حکمرانوں کی بے حد کدورت تھی۔ وہ تو علیؑ کا نام بھی سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ عبدالملک بن مروان اہل بیتؑ سے جو بغض رکھتا تھا' اس کی ایک مثال شاہ معین الدین ندوی نے اپنی کتاب تابعین میں بیان کی ہے ۵۔ جناب عبداللہ ابن عباسؓ کے صاحبزادے حضرت علیؑ کی شہادت کے دن پیدا ہوئے۔ اسی لئے جناب عبداللہ بن عباسؓ نے ان کا نام "علی" رکھا تھا۔ ان کی کنیت ابوالحسن تھی۔
عبدالملک بن مروان نے اپنے عہد حکومت میں ان کا نام سن کر کہا۔
"میں علیؑ کا نام اور کنیت ابوالحسن دونوں برداشت نہیں کر سکتا۔ اس میں سے ایک بدلو"
اہل بیتؑ کے ایک محب حضرت عطیہ بن سعد بن جنادہ تھے' آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے' آپ کا نام حضرت علیؑ نے ہی تجویز کیا تھا۔ آپ نے حضرت ابن عباسؓ سے درس قرآن بھی لیا۔ ان سے دو مرتبہ تفسیر اور قرآن پاک کے ستر دور کئے تھے۔ ۸۵ ہجری میں عطیہ ایران چلے گئے۔ حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو لکھا کہ عطیہ کو طلب کر کے کہو کہ وہ حضرت علیؑ پر لعنت کرے اگر وہ ایسا کر دیں تو معاف کر دیا جائے' اگر ان کی جانب سے انکار ہو تو انہیں چار سو کوڑے لگائے جائیں اور سر اور داڑھی مونڈ دی جائے۔ محمد بن قاسم نے عطیہ کو طلب کیا۔ حجاج کا خط سنایا۔

حضرت عطیہ حضرت علیؓ پر لعنت بھیجنے کے لئے تیار نہیں ہوئے انہیں چار سو کوڑے لگائے گئے۔ ان کا سر اور داڑھی مونڈ دی گئی۶۔

امام زین العابدینؓ نے ایسے عالم میں ۵۷ برس گزارے کہ دشمن ان کے' ان کے خاندان کے' اور ان کے دوستوں کے زبان اور تلوار سے نقصان پہنچانے میں مصروف تھے۔ ان حالات کے بارے میں امامؑ کا اپنا قول ہے۔

"ہم نے اپنی قوم میں اس طرح صبح کی ہے جس طرح بنی اسرائیل نے آل فرعون میں وقت گزارا تھا۔ وہ ہمارے بیٹوں کو ذبح کرتے ہیں' ہمارے سردار اور بزرگ کو منبروں پر سب و شتم کرتے ہیں اور ہمارے حق کو ہم سے روکے ہوئے ہیں۔"

تیسرا باب

عوام سے خطاب

امام زین العابدینؒ نے امامت کی عملی ذمہ داریاں اور خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے اپنے فرائض اس وقت سے ادا کرنا شروع کر دیئے' جب روز عاشورہ امام حسینؓ شہید ہو چکے تھے اور بنی امیہ کے لشکری مال و اسباب لوٹ کر خیموں کو آگ لگا رہے تھے' امامؒ بیمار تھے مگر ایسی صورت حال میں ان پر جو ذمہ داری تھی وہ اپنے اہل خاندان اور جاں نثاران حسینؓ کے اہل خاندان کی حفاظت تھی' آپؒ نے حکم دیا کہ عورتیں اور بچے جلتے ہوئے خیموں سے دوسرے خیموں میں جائیں حتیٰ کہ تمام خیمے خاکستر ہو گئے اور حسینؓ کے باقی ماندہ عورتیں اور بچے کھلے آسمان کے نیچے بے یار و مددگار رہ گئے۔

امام زین العابدینؒ نے اس دن کے بعد سے بہت سی ذمہ داریاں سنبھالیں' اپنے خاندانی فرائض کی طرح شریعت کی حفاظت کرنا تھی۔جس طرح ان کے جد امجد حضرت ابو طالبؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا حق ادا کیا تھا۔ اسی طرح امام زین العابدینؒ کو دشمنان شریعت کے درمیان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی حفاظت کرنا تھی۔ انہیں اپنے دادا علیؓ کی طرح اپنی علمی صلاحیتوں سے لوگوں کو پیغام قرآنی کے سچے اصولوں سے روشناس کرانا تھا۔ امام حسنؓ کی طرح صداقت کے اظہار میں بے خوف و خطر آگے بڑھنا تھا۔ سب سے اہم ذمہ داری جو امام زین العابدینؒ کو ادا کرنا تھی وہ امام حسین کے پیغام کو عام کرنا تھا' لوگ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے امام حسینؓ کو شہید کر کے اہل بیتؓ کے موقف کو یکسر مٹا دیا ہے' ادھر حضرت سجادؒ کا ارادہ تھا کہ وہ خلافت کے ضمن میں اہل بیتؓ کے اس موقف کو عام کر کے دم لیں گے کہ نبیؐ کی نیابت کسی جاہل' ظالم اور بددیانت شخص کا استحقاق نہیں ہے اور اگر کوئی بے توفیق شخص اس منصب کو کسی سازشانہ کارروائی سے حاصل کرتا ہے تو اسے تشدد' غصب حقوق' اور ظالمانہ افعال سے گزر کر

اپنی دنیا اور عاقبت خراب کرانا پڑتی ہے۔

امام زین العابدینؑ نے حسینی مشن کو عام کرنے کا تہیہ کرلیا اور اس سلسلے میں انہوں نے کربلا کے بعد بازاروں میں، دربار میں، قید خانے میں اور مدینہ منورہ واپسی میں کوئی موقع ایسا نہیں چھوڑا جب انہوں نے لوگوں کو امام حسینؑ کی مظلومیت اور ان کی شہادت کے اسباب نہ بتائے ہوں۔ امامؑ نے اپنے پوری زندگی ایک سمت تو سماجی، اور معاشرتی اقدار کو شریعت کے دائرے میں رکھنے کی سعی کی تو دوسری طرف امام حسینؑ کے ذکر کو اس طرح جاری رکھنے کی طرح ڈالی کہ آج ذکر حسینؑ ایک عبادت ہے اور آپؑ کی شہادت کی تمام جزئیات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ یہ امام زین العابدینؑ اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے امام حسینؑ کی شہادت کے واقعہ کو تاریخ کے صفحات سے محو نہیں ہونے دیا۔

اسیران کربلا کا قافلہ ایک بازار سے گزر رہا تھا کہ امام نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"میں اس کا بیٹا ہوں جسے ناکردہ قتل کردیا گیا۔ ہمارے لئے یہی فخر کافی ہے"

ایک بار آیات قرآنی کے حوالوں سے اپنے خاندان کا تعارف کرایا۔ ایک بار ایک طنز کرنے والے سے کہا کہ ہماری فتح کا اعلان اذان کے ذریعے ہوتا رہے گا۔ ایک بار موذن کو ٹوک دیا اور کہا کہ

"بتا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے جد ہیں، یا یزید کے۔"

امام زین العابدینؑ قدم قدم پر اہل شام اور اہل کوفہ کو اپنے خاندان سے متعارف کرا رہے تھے۔ اس ظلم و ستم کی جزئیات بیان کر رہے تھے جو ان کے خاندان پر ہوا۔ لوگ سن رہے تھے۔ امامؑ کے دلائل کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں پرکھ رہے تھے۔ امامؑ نے جب حسینؑ کی شہادت کو فخر سے تعبیر کیا تو وہ لوگ جو حسینؑ سے اقدام کو بغاوت اور خروج سے مماثلت دے رہے تھے سوچنے پر مجبور ہوگئے رہتی دنیا تک ان لوگوں کو شرمندہ کردیا۔ جو امام حسینؑ کے عمل کو خروج سے تعبیر کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔

امامؑ نے اپنا اور اہل بیتؑ رسولؐ کا تعارف کرا کے لوگوں کو اس امر کے سوچنے پر مجبور کردیا کہ ان کے حکمران کتنے بدطینت ہیں کہ ان کے جد کا کلمہ پڑھتے ہیں اور ان ہی کی اولاد کو قتل کرتے ہیں، گلی کوچوں میں قیدی بنا کر گھماتے ہیں۔ امامؑ نے اس طرح حکمرانوں کے اس جھوٹ کی قلعی کھول دی کہ حکمران اسلام سے محبت رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو غلط فہمی کی بناء پر حکمراں ٹولے کی

حمایت کر رہے تھے لرز گئے' انہیں معلوم ہو گیا کہ خلافت نبوت کے دعوے دار اہل بیت نبویؐ کے سلسلے میں سنگدل ہیں اہل شام کو معلوم ہو گیا کہ وہ جن لوگوں کی حمایت پر کمربستہ ہیں وہ محض دنیادار ہیں۔ ان کے دلوں میں قرآن اور رسولؐ کی پاسداری کی رمق بھی نہیں ہے۔ دشمنان اہل بیت نے اہل بیت کے مردوں کو قتل کر کے اور عورتوں بچوں کو گلی کوچوں میں گھما کر سوچا تھا کہ یہ لوگ اپنی رسوائی کے ڈر سے خاموش رہیں گے۔

امام زین العابدینؑ نے ان کی تمناؤں کو فوری حکمت عملی اختیار کر کے خاک میں ملا دیا۔ امامؑ نے اپنے تعارف کرانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ دیکھتے دیکھتے ساری مملکت کو معلوم ہو گیا کہ غاصبان خلافت کا اصل مقصد خاندان رسالت کو نابود کرنا تھا۔ جس کی ایک رمق یزید کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ اہل بیتؑ کے خلاف یہ مہم جو ایک عرصے سے چل رہی تھی بتدریج کربلا کے میدان تک پہنچی اور یہاں سے امام زین العابدینؑ نے جوابی مہم کا آغاز کیا۔ اور خلافت کے مدعیان کے اصل ارادوں کو بیان کرنا شروع کر دیا۔

امام زین العابدینؑ کے خطبات' تقاریر اور مکالموں نے امام حسینؑ کی شہادت کے جزئیات کو محفوظ کرنے میں مدد دی ہے۔ یہ امامؑ کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے تاریخ کربلا کو اس طرح محفوظ کر دیا کہ اس میں الٹ پھیر کرنے کا کوئی امکان نہیں رہا۔ امام زین العابدینؑ واقعات کے عینی شاہد تھے اور یہ بنی امیہ کی بدقسمتی تھی کہ وہ انہیں خود ایسے مواقع فراہم کر رہے تھے جن کی مدد سے امامؑ کربلا کے واقعات بیان کرنے میں کامیاب ہو رہے تھے۔

امام زین العابدینؑ اور دیگر اسیران کربلا کو سب سے پہلے کوفہ لایا گیا اہل کوفہ کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ قیدی کون ہیں انہیں تو یہ بتایا گیا تھا کہ کوئی باغی تھا جسے قتل کر دیا گیا اور اس کے لواحقین گرفتار ہو کر آئے ہیں۔ اہل کوفہ کو تو اسیروں کا تعارف اس وقت حاصل ہوا جب جناب ام کلثوم بنت علیؑ نے بلند آواز سے کہا۔

"اے اہل کوفہ صدقہ ہم آل محمدؐ پر حرام ہے۔"

اہل کوفہ حیران ہو گئے اور انہوں نے بے تابی سے پوچھا۔

"کون لوگ ہو تم؟"

"ہم آل محمدؐ ہیں۔"

اہل تماشا کے دل دہل گئے۔ امام زین العابدینؑ نے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور

خطبہ کا آغاز کیا۔

"اے لوگو میں تم کو دنیا اور اس کی فریب کاریوں سے بچنے کی نصیحت کرتا ہوں دنیا ایک زوال پذیر جگہ ہے' اس کی قسمت میں بقا نہیں ہے' اس نے سابق قرون کو فنا کردیا ہے' حالانکہ ان کے اموال تم سے کہیں زیادہ تھے' ان کی عمریں طویل تھیں ان کے جسم مٹی میں مل گئے تم دنیا سے بہتری کی امید کیسے رکھ سکتے ہو۔ افسوس صد افسوس۔ خبردار اور ہوشیار رہو' اپنی گزشتہ اور آئندہ زندگی پر غور کرو۔ نفسانی خواہشات سے پہلے اور عمر کی مدت ختم ہونے سے پہلے نیک کام کرو جن کا صلہ ملے گا۔ تم بلند محلات سے قبروں کی طرف بلا لئے جاؤ گے۔ تمہارے اعمال کا حساب ہوگا۔

امام نے مزید نصیحتیں کیں اور اس کے بعد انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔ پہلے نصیحتیں کرنے اور بعد میں تعارف کا مقصد یہ تھا کہ پہلے اپنا فلسفہ حیات بیان کردیں' تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ قیدی دنیا کی طلب گاری چاہتا ہے بلکہ یہ بتانا مقصود تھا کہ خطیب کی نگاہ دنیا پر نہیں بلکہ آخرت پر ہے۔ اب امامؑ اپنے تعارف کی طرف متوجہ ہوئے۔

"لوگو! جو مجھے جانتا ہے۔ وہ تو جانتا ہے' اور جو نہیں پہچانتا اسے میں بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں۔ میں علیؑ بن حسینؑ بن ابو طالبؑ ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کی بے حرمتی کی گئی۔ جس کے جسم مبارک کو ان کا لباس اور اثاثہ لوٹ کر عریاں کردیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کا سر لب فرات قلم کردیا گیا۔ انہوں نے کسی کا خون نہیں بہایا تھا۔ انہوں نے کسی کا حق غصب نہیں کیا تھا۔ میں اس کا نور نظر ہوں جنہیں ظلم و ستم سے قتل کردیا گیا۔ جب ان میں مقابلے کی تاب نہ رہی تو انہیں شہید کردیا گیا۔ ہمارے لئے یہ فخر کافی ہے کہ ہم نے دوسروں کی طرح یزید کی بیعت نہیں کی۔ باطل کے خلاف خاموشی نہیں اختیار کی۔ راہ خدا میں ایسا ثبات دکھایا کہ ہمارا خون بہادیا گیا' ہم دشمنوں کے ہاتھوں اسیر ہوگئے۔"

امامؑ کے خطاب کا یہ ٹکڑا رہتی دنیا تک امام حسینؑ پر ہونے والے مظالم کی دستاویز ہے۔ امامؑ نے ظلم کی تصویر کشی کی ہے اور وجہ بھی بیان کی ہے کہ یہ سب ظلم یزید کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ انہوں نے کھلم کھلا یزید کی بیعت کو باطل سے تعبیر کیا۔ کوفے میں لوگوں کی ہمتیں بلند کرنے کے لئے یہ خطاب ضروری تھا۔ اہل کوفہ میں حامیان علیؑ بھی تھے' جو بنی امیہ کے خوف سے لب بستہ تھے۔ امامؑ نے بلند آواز میں انہیں یہ پیغام دیا کہ وہ بنی امیہ کی مخالفت میں تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ اہل بیتؑ کا موقف بھی یہی ہے کہ باطل کی حکومت سے بیعت نہ کی جائے امام نے میدان

کربلا میں یزیدی لشکر کی بہیمانہ کارروائی بھی بیان کی۔ امامؑ مظالم کی داستان بیان نہیں کر رہے تھے بلکہ لوگوں کے دلوں میں کربلا کی تاریخ لکھ رہے تھے۔ تاکہ بنی امیہ کے بہی خواہ کسی دور میں تاریخ میں ملاوٹ کرکے یہ نہ کہنے لگیں کہ کربلا میں کچھ نہیں ہوا۔ بس یونہی معمولی سی جھڑپ تھی جس میں امام حسین اتفاقاً "مارے گئے۔ امام نے بتادیا کہ یہ سب اتفاقاً" نہیں تھا۔ یزیدی لشکر کے دل میں ایسی کدورت بھردی گئی تھی کہ اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کی حرمت کا لحاظ بھی نہیں کیا۔ امامؑ نے بتایا کہ اہل بیت" بیعت سے زیادہ شہادت کو پسند کرتے ہیں۔ شہادت کو پسند کرنے کے سلسلے میں امامؑ نے ابن زیاد کے دربار میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا جو آئندہ چل کر آپ دیکھیں گے۔

امامؑ نے پھر ان لوگوں کو مخاطب کیا جو امام حسین کو جعلی خط لکھتے تھے اہل کوفہ میں علیؑ اور خاندان علیؑ کے حقیقی بہی خواہ بھی تھے اور مصلحت اندیش بھی، مصلحت اندیش افراد نے جو کچھ کیا وہ سب پر ظاہر تھا۔ امامؑ نے خطبہ دیتے ہوئے اس بات کی وضاحت ضروری سمجھی کہ ان کے والد نے جو کچھ کیا وہ اپنی خواہش کی بناء پر نہیں بلکہ عوام کے مطالبہ اور ان کے حقوق کے لئے کیا تھا۔ امامؑ نے فرمایا۔

"اے لوگو! تمہیں خدا کی قسم!! تم نے میرے والد کو خط لکھے، اور انہیں فریب دیا۔ ان سے عہدہ پیمان کئے پھر ان سے پھر گئے ان سے جنگ پر آمادہ ہوگئے، تم پر بربادی اور تباہی ہو، تم پر بدبختی نازل ہو، کل تم لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤ گے وہ تم سے سمجھیں گے کہ تم نے میرے اہل بیتؑ کو قتل کیا، میری بے حرمتی کی، تم میری امت نہیں رہے۔"

امامؑ نے کوفہ میں دوران خطبہ یہ فیصلہ دے دیا کہ جو لوگ امام زین العابدینؑ کو دوست رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک امام حسینؑ کے قاتل بدبخت ہونا چاہئیں اور جو حضور کی بے حرمتی کے مرتکب ہوتے ہیں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ امامؑ نے یہ اصول پیش کیا کہ اہل بیتؑ رسولؐ سے بدسلوکی حضور اکرمؐ سے بدسلوکی کے مترادف ہے اور اہل بیتؑ کو ایذا دینے والے بدبخت اور بدقسمت ہیں انہیں امت رسولؐ سے خارج سمجھنا چاہئے۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ لوگ امام زین العابدینؑ کو محترم سمجھیں اور ان کے بیان کردہ اصولوں کو پس پشت ڈال دیں۔ دوستداران اہل بیتؑ کے لئے امامؑ کا قول حجت ہے۔

لوگوں نے بلند آواز میں یزید سے بیزاری کا اظہار کیا اور امامؑ سے اپنے حمایت کا اعلان کیا۔

امامؑ چاہتے تھے کہ لوگوں میں یزید سے بیزاری پیدا ہو مگر وہ اپنی حمایت کے نعروں کو مزید مستحکم اور پختہ دیکھنا چاہتے تھے' انہوں نے خطبہ جاری رکھا۔

"اے بے وفا مکارو! تمہاری خواہشیں کبھی پوری نہ ہوں گے تم میری ساتھ بھی وہی سلوک کرنا چاہتے ہو جو تم نے میرے پدر بزرگوار کے ساتھ روا رکھا۔ خدا کی قسم ابھی تک وہ زخم نہیں بھرا ہے۔ میرے پدر بزرگوار پر میری جان صدقے۔ تم نے فرات کے کنارے انہیں بھی شہید کردیا۔ ان کے قاتلوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔"

امامؑ اہل کوفہ کے گریہ اور نعروں کو سن کر چاہتے تو ذرا دیر کے لئے حکومت کے لئے امن و امان کا مسئلہ پیدا کرسکتے تھے' مگر انہیں معلوم تھا کہ چند پرجوش نعرے حکومت کے کلی اختیارات اور قوت کے سامنے بیکار ہیں۔ دولت کی چکاچوند نے لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کردیا تھا۔ دولت کی ریل پیل نے ذاتی مفادات کو تمام مفادات پر مقدم بنادیا تھا' یہی دیکھ کر تو امام حسنؑ نے تصادم کی پالیسی کی بجائے یہ پالیسی اختیار کی تھی کہ پہلے لوگوں کو حق اور ناحق میں تمیز کرنے کا موقع دیا جائے تاکہ جو انقلابی راستہ اختیار کرنا مطلوب ہو اس کے لئے ذہن تیار ہوں۔ یہی بات امام حسنؑ نے اپنے ایک حامی سلیمان بن صرد کو یاد کرائی تھی' امام چہارمؑ بھی جان رہے تھے کہ حامیان حق کی تعداد کم ہے اس لئے لوگوں کو بلاوجہ ایک بڑی طاقت سے متصادم نہیں کرنا چاہئے۔ اہل طاقت یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح انہیں اہل بیتؑ اور ان کے حامیوں کو صفحہ ہستی سے نابود کرنے کا موقع مل جائے مگر امام حسنؑ نے ان کے ارادوں کو مکمل نہ ہونے دیا۔ اور امام زین العابدینؑ نے بھی تصادم کی بجائے وہ راستہ اختیار کیا جس میں ان کے حامیوں کے لئے سلامتی تھی' اور اہل بیتؑ کے پیغام کی تبلیغ کے لئے مواقع تھے۔

امامؑ نے اہل کوفہ کو سرزنش کے ذریعہ ان کے دلوں میں ندامت کے احساسات کو جگادیا اور یہ بھی بتادیا کہ اہل بیتؑ کسی ایسے تصادم میں حصہ نہیں لیں گے۔ جس میں حامیوں کا تعاون غیر یقینی ہو۔ امامؑ نے اپنی پالیسی کا اعلان کیا۔

"میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم ایک دن ہماری موافقت اور ایک دن مخالفت کا طریقہ ترک کردو۔ نہ ہماری حمایت کرو نہ مخالفت نہ ہمیں قتل کرو۔"

امام زین العابدینؑ نے پہلا خطبہ بازار کوفہ میں دیا۔ انہوں نے اس خطبہ کے ذریعہ وہاں حالات سے مجبور اپنے محبوں کو اشاروں اشاروں میں بتادیا کہ ان کا امام یزید کی بیعت کو مسترد

کر چکا ہے کیونکہ ممکن تھا کہ حکمران کے کارندے یہ بات پھیلا دیتے کہ امام حسینؑ شہید ہو گئے تو مغلوب علی بن حسین نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ امامؑ نے صاف طور سے کہہ دیا کہ ان کے پدر گرامی کی شہادت اور ان کی اپنی اسیری کا سبب یزید کی بیعت مسترد کر دینے کے سبب ہے۔ امامؑ کا یہ قدم ایک سابقہ تجربے کی روشنی میں تھا' جب امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت کے سلسلے میں امام حسینؑ' حضرت عبداللہ ابن عمرؓ' حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ' حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کے نام لے کر کہا تھا کہ وہ بیعت کر چکے ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوا تھا یہ بس امیر معاویہ کی ایک چال تھی۔ ے

امامؑ کا یہ پہلا خطاب بہت سی آئندہ ہونے والے واقعات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ حضرت مختار ثقفی کو اپنی تحریک میں مدد ملی' توابین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہوا جس نے بنی امیہ کے ظلم و ستم کے تمام مظالم طشت از بام کر دیئے۔

باب چہارم

خواص سے خطاب

امام زین العابدینؑ نے کوفہ کے بازار میں جس دلیری سے اپنے خیالات کا اظہار کیا' اس کے اثرات بہت دور رس ہوئے' مگر امامؑ کا کام ابھی ختم نہیں ہوا تھا' انہیں دوسرا موقع ابن زیاد کے دربار میں ملا جہاں آپؑ نے بے خوف و خطر وہ کہا جسے سننے کی ابن زیاد میں تاب نہیں تھی۔

امامؑ کو رسن بستہ اور بیڑیوں میں ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ ابن زیاد نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

"امامؑ نے اپنا نام بتایا۔ صرف ابن حسین نہیں کہا کہ اس قدر تعارف کافی ہوتا مگر پورا نام بتایا۔

"میں علیؑ ابن حسینؑ ہوں۔"

امامؑ جانتے تھے کہ ابن زیاد اس نام علیؑ سے کتنی پرخاش رکھتا ہے۔

"علیؑ ابن حسینؑ کو تو خدا نے مار ڈالا۔"

امامؑ نے ابن زیادہ کی بات سنی اور کہا۔

"خدا نے نہیں لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔ وہ میرا بھائی تھا' اس کا نام بھی علیؑ تھا۔

ابن زیاد نے کہا۔

"نہیں اسے خدا نے مار ڈالا۔"

"امامؑ نے قرآن کی آیت پڑھ کر اس کی غیر شرعی منطق کی تردید کر دی۔ اور لوگوں کو بتا دیا کہ ان کا امیر قرآن کے خلاف اپنی آواز بلند کر رہا ہے۔ امامؑ نے آیت پڑھی۔

ترجمہ: ("اللہ جانوں کو لے لیتا ہے جب ان کی موت آتی ہے")

ابن زیاد ندامت سے جھنجلا گیا۔ اس کو امید نہیں تھی کہ ایک قیدی سر دربار اسے رسوا کر دے گا۔ اس سے قبل وہ بی بی زینبؑ سے شکست کھا کر دل ہی دل میں غصے سے تلملا رہا تھا۔

اب حضرت امامؑ نے اسے لاجواب کردیا تو اس نے شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا۔ اور اپنے حواریوں کو حکم دیا۔

"لے جاؤ اسے قتل کردو۔"

امامؑ اس کے اس حکم سے ہراساں نہیں ہوئے' وہ بہت مطمئن تھے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ قیدی پریشانی کا اظہار کرتا اور معافی کا طلب گار ہوتا' یا متعلقین ابن زیاد کے پیروں پڑجاتے مگر ایسا نہیں ہوا' اگرچہ ابن زیاد کا منشا یہی تھا کہ اس کے حکم کو سن کر قیدی سکتے میں آجائیں گے اور بی بی زینب "خصوصاً" اپنی گفتگو پر معذرت کا اظہار کریں گی مگر صورتحال بالکل مختلف رہی' امامؑ نے قتل ہونے پر رضامندی ظاہر کردی اور بس اتنا کہا۔

"ابن زیاد! تو مجھے قتل کی دھمکی دے رہا ہے" قتل ہونا تو ہماری عادت ہے اور شہادت ہمارے لئے باعث عزت ہے۔

امامؑ نے ابن زیادہ کے دربار کو لرزا دیا' وہ خواص جو اس دربار کی زینت بنے ہوئے تھے' دلوں میں ندامت میں ضرور ڈوبے ہوں گے امامؑ نے اسے کسی معزز لقب سے مخاطب نہیں کیا۔ اسے اس کے نام سے پکار کر یہ بتادیا کہ اسیر اور قیدی ہونے کے باوجود اہل بیتؑ کے دلوں میں خوف اور حزن کا دور دور تک پتہ نہیں ہے۔ اور وہ حکمرانی کے نشے میں ڈوبے ہوئے مغرور شخص کا غرور توڑنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔"

ابن زیاد کا دربار۔ شقاوت کی نشاندہی کرتا تھا۔ اس نے امام حسینؑ کے سر کے ساتھ بے ادبی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے ایک چھڑی لے کر امام حسینؑ کے سر مبارک کو چھیڑنا شروع کردیا۔ اور دندان مبارک سے گستاخی کرنے لگا' اس پر صحابی رسولؐ حضرت زید بن ارقمؓ سے ضبط نہ ہوسکا۔ آپؓ نے فرمایا۔

"اپنی ناپاک چھڑی کو ہٹالے' خدا کی قسم میں نے حضورؐ کے ہونٹوں کو حسینؑ کے ہونٹوں سے مس ہوتے بے شمار مرتبہ دیکھا ہے۔" اس کے بعد وہ بلند آواز سے رو پڑے۔"

ابن زیاد نے صحابی رسولؐ کی سرزنش کی پرواہ نہیں کی اور نہ ہی ان کے گریہ سے شرمسار ہوا بلکہ انہیں دھمکی دے کر کہنے لگا۔

"تم ہماری فتح پر روتے ہو۔ اگر تم بوڑھے نہ ہوتے تو میں تم کو قتل کردیتا۔"

حضرت زید بن ارقمؓ اس دربار سے اٹھ کر چلے گئے۔

تاریخ میں یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ امامؑ نے کبھی ابن زیاد کو اس کی ناشائستہ حرکات پر ٹوکا ہو۔ وہ جانتے تھے کہ حکمران اپنی کمینگی کی وجہ سے اہل بیتؑ کو ہر طرح کی اذیت دینے کے درپے ہیں اس لئے اہل بیتؑ نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اپنے دشمن کو مزید خوش ہونے کا موقع نہیں دیں گے۔

اسیران کربلا کو دربار میں خواص کے سامنے اپنے تعارف اور حکومت کے ظلم و ستم بیان کرنے کا موقع ملا۔ اور یہ موقع حکمرانوں نے اپنے احمقانہ فتح کے جوش میں خود دیا۔ اگر حکمرانوں کو یہ معلوم ہوتا کہ وہ اہل بیتؑ کو رسوا کرنے کے زعم میں اپنے خلاف تاریخ کی گواہیاں مہیا کررہے ہیں تو وہ ایسا کبھی نہ کرتے مگر یہ فطرت کا قانون ہے کہ ظالم اپنے خلاف شہادتیں خود فراہم کرتا ہے' یہاں مشہور فلسفی سقراط کا ایک قول دہرا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس نے اپنے خلاف فیصلہ دینے والی عدالت سے کہا۔

"تم جو فیصلہ میرے خلاف کررہے ہو۔ میں خوش قسمت ہوں کہ اپنے کانوں سے سن رہا ہوں' مگر تاریخ جو فیصلہ تمہارے خلاف کررہی ہے تم اسے نہیں سن پا رہے ہو۔ اور یہی تمہاری بدقسمتی ہے۔"

ابن زیاد اپنی فتح کے جوش میں شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ کررہا تھا اور تاریخ نے ثابت کردیا کہ فتح کس کی ہوئی تھی۔ امامؑ کو اپنی فتح کا یقین تھا اسی لئے وہ قدم قدم پر پورے اعتماد سے اہل بیتؑ کے موقف کو دہرا رہے تھے اور طنز کرنے والوں سے کہہ رہے تھے۔

"اذان اور اقامت بتائے گی کہ فتح مند کون ہے اور شکست کسے نصیب ہوئی۔" یعنی جب تک نماز قائم ہے اس وقت تک رسول اکرمؐ کا نام نامی اور اس پر درود لازم ہے اور اہل بیتؑ اس درود میں حضورؐ کے شریک ہیں۔

ابن زیاد نے امامؑ سے قبل بی بی زینبؑ سے طنزیہ کہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے مردوں کو قتل کیا۔ اور تمہیں ذلیل و رسوا کیا۔"

بی بی نے تڑپ کر کہا۔

"شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں پیغمبریؐ سے سرفراز کیا۔ ہمیں ہر قسم کی خباثت سے پاک و پاکیزہ کردیا۔ رسوائی فاسق و فاجر کے لئے اور نابکار انسانوں کا کام دروغ گوئی ہے۔ فاسق و فاجر دوسرے لوگ ہیں نہ کہ ہم۔"

درباروں میں اہل بیتؑ نے اسلامی کردار کا مظاہرہ کیا۔ اور دربار بھی کیسے جو قیصرو کسریٰ کی روایات کے عین مطابق تھے۔ دربار کا سربراہ خلافت نبویؐ کا دعوے دار تھا۔ مگر دربار کی شان و شوکت میں خسروانہ طریقے تھے اسلام کی سادگی کا دور دور پتہ نہیں تھا۔ دربار میں قیصرو کسریٰ کی خو بو تھی' اور اس کا سلسلہ امیر معاویہ سے شروع ہوا تھا۔ امیر معاویہ کا دور وہ تھا جب حضورؐ کے قریبی اصحاب زندہ تھے۔ خلیفہ وقت حضرت عمرؓ اپنی سادگی کی وجہ سے اپنے اہل دربار کی موجودگی میں پہچانے نہیں جاتے تھے مگر اس زمانے میں امیر معاویہ گورنر ہونے کے باوجود شاہانہ ٹھاٹ باٹ رکھتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں شام کا دورہ کیا تو انہوں نے ملاحظہ کیا کہ امیر معاویہ کا رہن سہن بڑے ٹھاٹ باٹ کا ہے' محل' دربان اور کروفر' حضرت عمرؓ نے اعتراض کیا تو امیر معاویہ نے جواز پیش کیا کہ غیر ملکی سفراء آتے رہتے ہیں' اس لئے کروفر کا اظہار ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ نے خاموشی اختیار کرلی۔

امیر معاویہ اپنی گورنری کے دوران شاہانہ کروفر کا مظاہرہ کرسکتے ہیں تو ظاہر ہے کہ خلافت پر بلا شرکت غیرے اختیارات کے بعد یزید اور اس کے ہمنواؤں کے دربار کس شاہانہ شان کے حامل ہوں گے۔ مگر اہل بیتؑ دربار کے جاہ و جلال کے سامنے سرخمیدہ نہ ہوئے۔

ابن زیاد گورنر تھا' اس کے سامنے اہل بیتؑ کے سربراہ کی حیثیت سے امام زین العابدینؑ کا اظہار تمکنت اور بی بی زینبؑ کا خطاب ممکن ہے غیر اہم سمجھا جاتا۔ کوئی مورخ یہ سوچ سکتا تھا کہ حضرت سجادؑ جانتے تھے کہ ابن زیاد یزید کا ایک آلہ کار ہے۔ اس لئے وہ قیدیوں کے سخت وست کہنے پر باز پرس نہیں کرسکتا تھا اور اس لئے امامؑ نے وقت سے فائدہ اٹھایا' لیکن اہل حق کی بصیرت کا دائرہ مستقبل تک پھیلا ہوا تھا' اور انہوں نے دربار یزید میں بھی اسی لب و لہجہ کو اپنائے رکھا جو انہوں نے کوفہ کے بازار اور ابن زیاد کے دربار میں اختیار کر رکھا تھا' شاہی سمجھ رہی تھی کہ اس نے اہل بیت رسولؐ کو شہید کرکے اپنے آباؤ اجداد کا انتقام لے لیا ہے اور ان کی ہمتیں پست کردی ہیں۔ لیکن امامؑ نے دربار یزید کو مطلع کردیا کہ شاہی اہل بیتؑ سے بیعت طلب تو کرسکتی ہے مگر حاصل نہیں کرسکتی۔

اسیران کربلا جب دربار یزید میں پہنچے تو یہاں بھی یزید نے ابن زیاد کی طرح دندان امام حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کی' اس نے ایسے اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ کربلا میں اس نے جنگ بدر میں ہلاک ہونے والے اپنے آباؤ اجداد کا بدلہ لیا ہے۔

"کاش آج میرے وہ بزرگ موجود ہوتے جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تو مجھے تعریف و تحسین سے دیکھتے کہ میں نے بدر کی شکست کا بدلہ لیا ہے۔"

یزید نے مزید شعر پڑھے۔ جن میں بنیادی خیال یہی تھا کہ کربلا میں اہل بیت رسولؐ کو اس نے جنگ بدر میں ہلاک ہونے والے آباؤ اجداد کے بدلے میں قتل کیا ہے عجیب بات ہے کہ بنی امیہ کے تمام کارندے کربلا کی جنگ میں اہل بیتؑ کے قتل کو مختلف طریقوں سے سابقہ واقعات کا بدلہ قرار دے رہے تھے۔

یزید نے کہا تھا کہ قتل حسینؑ دراصل جنگ بدر کا بدلہ ہے اس کے ایک عامل عمرو بن سعید نے اس واقعہ کو حضرت عثمانؓ کے سانحہ قتل کا بدلہ قرار دیا تھا۔

یزید کی ہرزہ سرائی کے جواب میں حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے ایک طویل خطبہ دیا جس میں یزید کے اعمال کا محاسبہ کیا اسے شرمندہ کیا۔ اس کے غرور کو ملیا میٹ کر دیا۔ حضرت زینبؑ کا طویل خطبہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ یہ موقع بی بی کی دلیرانہ خطابت اور خطبہ کی تفصیل کا نہیں ہے' کیونکہ ہمارا مقصود حضرت سجادؑ ہیں۔ تاہم یہ خطبہ بی بی کی سیرت پاک پر ہر کتاب میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

امام زین العابدینؑ نے دربار یزید میں اپنی پھوپی کا خطبہ سنا' بی بی کے خطبہ سے امامؑ پوری طرح راضی تھے۔ دربار میں مزید کسی اظہار کی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن امامؑ مزید مواقع کے منتظر تھے۔

مسجد دمشق میں پہلا جمعہ آیا تو امامؑ کی موجودگی میں سرکاری خطیب نے خطبہ دیا۔ اس نے امیر معاویہ اور یزید کی تعریف کی۔ "ان کی مدح میں مبالغہ سے کام لیا اس نے گزشتہ روایات کے مطابق حضرت علیؑ پر سب و شتم کیا اور امام حسینؑ کی شان میں گستاخی کی۔ یقیناً یہ سب یزید کے ایماء پر ہوا تھا' بنی امیہ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ حضرت علیؑ پر سب و شتم کرتے تھے' ان کے سردار تو اس ضمن میں کسی لحاظ کے قائل نہیں تھے۔ مثلاً مروان تو امام حسنؑ کے سامنے حضرت علیؑ کو برا بھلا کہتا تھا یہی مروانی روایت مسجد

دمشق میں جان بوجھ کر دہرائی گئی۔ امامؑ زین العابدینؑ اپنا موقف ابن زیاد کے سامنے دہرا چکے تھے وہ شہادت اور قتل ہونے سے خوفزدہ نہ ہونے کا اعلان کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنے اسی اعلان کی روشنی میں ہر عمل سے بے پرواہ ہو کر خطیب کو ٹوک دیا۔

"اے بدبخت خطیب تو کیوں مخلوق کو خوش کرنے کے لئے خدا کی ناراضگی مول لینے پر تلا ہوا ہے۔"

بنی امیہ چھیالیس برس سے دمشق کے سرکاری خطیب سے اپنی حمد و ثناء اور علیؑ کی دشمنی کا اظہار کرا رہے تھے۔ بیس برس سے اس منبر سے علیؑ کی دشمنی کا پروپیگنڈہ جاری تھا۔ بوڑھے علیؑ دشمنی کی فضا میں موت سے ہمکنار ہو چکے تھے۔ بچے جوان ہو گئے تھے اور جوان بوڑھے مگر ان کے کان اس امر سے آشنا تھے کہ علیؑ کوئی اچھی شخصیت نہیں ہے۔ بیس برس کی طویل مدت میں پہلی بار اہل بیتؑ کے ایک فرد امام سجادؑ نے خطیب کو ٹوک دیا اور اس انداز سے اسے خبردار کیا۔

"مخلوق کی خوشنودی کے لئے خدا کی ناراضگی مول مت لے۔" یعنی شاہی کی تعریف اور خاندان رسالتؐ کے خلاف باتوں سے اللہ ناراض ہو گا۔ اس کے بعد امامؑ نے خواہش ظاہر کی۔

"اے یزید مجھے اجازت ہے کہ میں بھی ان لکڑیوں پر کھڑا ہو کر کچھ کہوں جس سے خدا خوش ہو اور سامعین کو ثواب ملے۔"

یزید راضی نہیں تھا مگر حاضرین کے دباؤ میں آ کر اس نے اجازت دیدی۔ اس موقع پر امامؑ نے دمشق کے خواص، سرکاری اہل کاروں، یزید کے ہمنواؤں اور استحصالی ٹولے کو خطاب کیا۔ اس جگہ سے جہاں بیس برس سے علیؑ کے خلاف ہرزہ سرائی جاری تھی۔ امامؑ زین العابدینؑ نے اپنے خاندان کا تعارف کرایا۔ اس خطبہ نے بنی امیہ کے برسوں کے پروپیگنڈے کو تاراج کیا۔ لوگ روہانسے ہو گئے اور جب خطبہ ختم ہوا تو بہت سے لوگ حیران و پریشان اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے۔ خواص دمشق کو پہلی بار علم ہوا کہ جس خاندان کو وہ بے نمازی، بے دین اور باغی سمجھتے رہے ہیں۔ اس خاندان کی عظمت اور حرمت سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔

امامؑ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی

شان بیان فرمائی۔ پھر آپ نے خطبہ دیا۔ خطبہ میں امامؑ نے اپنا تعارف کرایا۔ حضرت علیؑ کی شان بیان فرمائی۔ کربلا کے سانحہ کی تفصیلات بیان کیں، حتیٰ کہ یزید نے موذن کو حکم دیا کہ وہ اذان دے کر امامؑ کے کلام کو قطع کردے۔ امامؑ نے خطبہ میں فرمایا۔

"خداوند عالم نے ہمیں علم، حلم، شجاعت اور سخاوت عطا فرمائی۔ مومنوں کے دلوں میں ہماری محبت جاگزیں کردی۔ رسولؐ پاک کو ہم میں سے منتخب فرمایا، ان کے وصی اور نائب علی مرتضیٰؑ بھی ہم میں سے ہیں۔ سید الشہداء حمزہ اور جعفر طیار ہم میں سے ہیں۔ اس امت کے دو فرزندان حسنؑ اور حسینؑ اور مہدی موعود ہم اہل بیت رسالتؐ سے ہیں۔"

امام زین العابدین کے خطبہ کا یہ جز بیحد اہم ہے، اس میں آپ نے خاندان رسالتؐ اور پیغام رسالتؐ پر جان دینے والوں کے اسمائے گرامی گنائے۔ انہوں نے علیؑ کا نام پورے احترام سے لیا اور ان کی منزلت بیان کی۔ آپؑ نے اسی سلسلہ میں امام حسنؑ اور حسینؑ کا ذکر کیا۔ تاکہ پہلے امام حسینؑ کا تعارف کرادیا جائے اور بعد میں امام حسینؑ پر کئے جانے والے ظلم کا تذکرہ ہو۔

"لوگو! جو کوئی مجھے جانتا ہے کم جانتا ہے اور جو مجھے نہیں جانتا اسے حسب ونسب بتاتا ہوں۔ میں مکہ و منیٰ کا بیٹا ہوں۔ میں چشمہ زمزم اور کوہ صفا کا فرزند ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے حجر الاسود کو چادر سے اٹھوا کر دیوار کعبہ میں رکھا تھا۔ میں ان کا پسر ہوں، جنہوں نے سب سے بہتر احرام باندھا اور مناسک حج کو بجالائے۔"

امامؑ نے اپنے تعارف میں جو اصطلاحات استعمال کیں اور جن علامتوں کے ذریعہ اپنا تعارف مکمل کیا۔ وہ اس قدر پر اثر تھا کہ لوگوں نے امامؑ کے الفاظ محفوظ کرلئے اور کچھ عرصے بعد فرزوق نے جب امامؑ کی شان میں قصیدہ کہا تو آپؑ کے لئے تقریباً یہی الفاظ استعمال کئے جو امام نے اپنے لئے منتخب کئے تھے۔

امام نے خطبہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"میں ان کی آنکھوں کا نور ہوں کہ جب خدا نے وحی نازل کی تو ان پر نازل فرمائی، میں اس حسینؑ کا فرزند ہوں جسے کربلا میں شہید کردیا گیا۔ میں علی مرتضیٰؑ کا فرزند ہوں۔ میں محمدؐ کا نور نظر، فاطمہ زہراؑ کی نگاہوں کا نور ہوں میں خدیجۃ الکبریٰ کا سکون ہوں، میں

سدرۃ المنتہیٰ کا فرزند اور شجر طوبیٰ کا پسر ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو خون میں نہایا گیا' جس پر جن تاریکی میں اور پرندے ہواؤں میں نوحہ خوانی کرتے تھے۔"

امامؑ نے امام حسینؑ پر کیے گئے ظلم کو مختصر الفاظ میں مگر پورے تاثر کے ساتھ بیان کردیا۔ اس موقع پر یزید یا اس کے کسی حواری نے انکار نہیں کیا۔ اگر امامؑ محض جذباتیت سے تقریر کررہے ہوتے تو اس مجمع میں کوئی ضرور ٹوک دیتا۔ مجمع خاموش تھا۔ یزید بھی دم بخود تھا۔ کسی کو امامؑ کے بیان کردہ حقائق سے انکار کی گنجائش نہیں ہوئی۔ امامؑ نے اہل بیتؑ کے جو فضائل بیان کئے تھے' وہ بھی لوگوں نے خاموشی سے سنے اور کسی کو انکار کی جرات نہیں ہوئی۔ امامؑ نے مظالم کا تذکرہ کیا تو بھی لوگوں نے انکار نہیں کیا۔ امامؑ کی یہی فتح تھی کہ آپؑ نے دشمن کے کیمپ میں جاکر اپنی بات منوالی تھی۔ اہل بیتؑ کے بدترین دشمن اس وقت جمع تھے اور بیس برس سے اہل بیتؑ کی کردار کشی کررہے تھے۔ مگر اہل بیتؑ کے ایک قیدی نے ان کی تمام کارروائیاں کالعدم قرار دے دی تھیں۔

امامؑ نے خطبہ سے لوگوں کے دل بدل دیئے اور ذہنوں کو مسخر کرلیا۔ لوگ بے چینی سے پہلو بدلنے لگے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ یزید نے گھبرا کر موذن سے کہا کہ وہ اذان دے۔

سرکاری موذن نے لپک کر اذان دی۔ امامؑ احترام اذان میں خاموش ہوگئے۔ امامؑ موذن کے الفاظ دہرانے لگے اور جب موذن نے رسولؐ کی رسالت کی گواہی دی تو امامؑ نے موذن کو روک دیا۔ امامؑ نے کہا۔

"اے موذن رک جا۔" اور پھر یزید سے مخاطب ہوکر کہا۔

"بتا محمدؐ تیرے جد ہیں یا میرے اگر تو کہتا ہے کہ یہ تیرے ہیں تو تو جھوٹ بولتا ہے۔ اگر تو تسلیم کرتا ہے کہ میرے جد ہیں تو تو نے میرے والد گرامی کو کیوں قتل کیا؟ ان کا مال کیوں لوٹا؟ ان کی خواتین کو کیوں قیدی بنایا؟"

امام زین العابدینؑ نے ایک بار پھر وہ مصائب گنا دیئے جو یزید اور اس کے ہمراہیوں کی جانب سے خاندان رسالتؐ کو برداشت کرنا پڑے تھے۔ لوگ گریہ وزاری کررہے تھے۔ امامؑ نے یزید سے کہا۔

"خدا کی قسم ساری دنیا میں میرے علاوہ کوئی اور حضورؐ کو اپنا جد نہیں کہہ سکتا۔ پھر کیوں تو نے میرے والد محترم کو خنجر ستم سے شہید کیا اور ہمیں روم کے غیر مسلموں کی طرح قید کیا۔"

یزید نے اس موقع پر اقامت کا حکم دیا۔ مگر لوگوں نے نماز نہیں پڑھی۔ سب ادھر ادھر پریشان حالی سے چلے گئے۔

امامؑ زین العابدینؑ نے ان خطبات کے ذریعہ کیا حاصل کیا؟ اس کی تفصیلات تو آئندہ صفحات میں ملیں گی، مثلاً امامؑ نے لوگوں کے دلوں سے بنی امیہ کا خوف زائل کردیا۔ لوگوں کے دلوں میں اس ظالم حکومت کے خلاف نفرت اور حوصلہ بھر دیا۔ امامؑ کے ان خطبات کی وجہ سے آئندہ بہت سی ایسی تحریکوں کو جنم لینے کا موقع ملا جن میں عوام نے متحد ہو کر بنی امیہ کے ظالم حکمرانوں کے خلاف عملی جدوجہد کا آغاز کیا۔ امامؑ نے سب سے اہم فریضہ یہ انجام دیا کہ لوگوں کو یہ باور کرادیا کہ بنی امیہ کے حاکموں نے اپنے اقتدار کی خاطر حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خاندان کو ظلم وستم سے قتل کیا اور قیدی بنایا۔ امامؑ کے ان واضح بیانات کے بعد اب یہ ممکن نہیں رہا ہے کہ کوئی شخص یزید اور اس کے حواریوں کے ظلم وستم سے انکار کرے۔

امام زین العابدینؑ نے کوفہ میں عوام الناس سے اور دمشق میں خواصان حکومت کو حقائق سے روشناس کیا۔ اس طرح اہل بیتؑ کے خلاف ہونے والی محلاتی سازشوں کا پردہ چاک کردیا۔ یہ امامؑ ہی کی بصیرت تھی، جس نے اہل کوفہ اور اہل دمشق پر یہ واضح کردیا کہ حکومت نے جو کچھ کیا وہ جھوٹ تھا اور محض ذاتی جاہ و جلال کے استحکام کے لئے سب کچھ کیا گیا ہے۔ امامؑ نے کچھ اس طرح یہ فرض ادا کیا کہ دشمن کو اپنے مظالم سے انکار اور اپنے مظالم کو چھپانا ممکن نہیں رہا۔

باب پنجم

خطبات کے اثرات

امام زین العابدینؑ کے خطبات نے امام حسینؑ کے مشن کو مزید وسعت دی۔ عوام الناس اور خواص کے دلوں سے حکومت کا جعلی رعب ختم کیا۔ ایسے لوگوں کو فضائل اہل بیتؑ سنائے جو برسوں سے رسولؐ کے بھائی علیؑ پر سب وشتم کرتے آ رہے تھے۔ بنی امیہ نے سرکاری خطیبوں کے ذریعہ جھوٹی حدیثیں وضع کی تھیں امام نے اپنے خطبات سے ان کا دامن چاک کر دیا۔ امامؑ نے بنی امیہ کے حکمرانوں کے دینی لبادے کا بھرم کھول دیا۔ اموی ٹولے نے امام حسینؑ کو بے دین مشہور کر دیا تھا۔

یزیدی سپہ سالار عمرو بن الحجاج نے کربلا میں اپنے ساتھیوں سے، جو حسینؑ کے طرفدار ہو گئے تھے، مخاطب ہو کر کہا تھا۔

"اپنی جماعت کے ساتھ رہو اور اس شخص کے قتل میں تذبذب اختیار مت کرو جو دین سے خارج ہو گیا ہے۔"

بنی امیہ کے زر خرید دینی سرداروں نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ حاکم وقت سے سرتابی شرعاً گناہ ہے، خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو مگر امام حسینؑ نے صاف طور سے اعلان کر دیا تھا کہ وہ ظالم کی بیعت ہرگز قبول نہیں کریں گے، امام زین العابدینؑ اپنے خطبات میں یہی واضح کرتے تھے کہ یزید کی بیعت انہیں قبول نہیں ہے اور ان کے والد گرامی رسالت مآبؐ کے چہیتے نواسے تھے۔

امام چہارم کے خطبات کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے، یزید کا بیٹا معاویہ ابن یزید لرزہ خیز واقعات سن کر رو دیا اور اس نے صاف طور سے کہا۔[۸]

"میں بنی ہاشم پر نہیں روتا، میں تو اس پر روتا ہوں کہ بنی امیہ نے جن جرائم کا ارتکاب کیا ہے، اس کے نتائج کتنے بھیانک ہوں گے۔"

امام ؑ اور بی بی زینب ؑ کے خطبات نے دلوں کو فتح کرنا شروع کر دیا تھا خود حکمران کے گھر میں اہل بیت ؑ کی حمایت ہونا شروع ہو گئی تھی' اہل دمشق میں بے چینی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ مروان بن حکم نے عوام میں پھیلی ہوئی بے چینی کو محسوس کر لیا تھا۔ لوگ یزید کے قتل کے درپے ہونا شروع ہو گئے تھے' مروان امام ؑ کے خطبات کے سامنے اس قدر بے بس ہو گیا تھا کہ اس نے پہلی بار ان کی رہائی کا مشورہ دیا اور انہیں واپس مدینہ روانہ کرنے کی رائے دی حالانکہ وہ دل میں اس امر پر قطعی راضی نہیں ہو گا۔ اس کا سابقہ کردار علی ؑ دشمنی کا غماز رہا تھا۔

مدینہ میں عبداللہ بن حنظلہ انصاری نے بہانگ دہل اعلان کیا۔

"کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے میں فاسق و فاجر یزید کے خلاف تلوار اٹھاؤں گا۔"

عبداللہ ؓ بن حنظلہ بہت متقی بزرگ اور صحابی رسول ؐ کا درجہ رکھتے تھے' انہوں نے اموی والی کو نکال دیا۔ امویوں اور ان کے حامیوں کو نکال باہر کیا۔

امام زین العابدین ؑ نے کربلا کے واقعات کو عام کر کے لوگوں کو ظلم کے خلاف نبرد آزمائی پر تیار کر دیا تھا۔

امام حسین ؑ نے جو فکری انقلاب پیدا کیا تھا۔ اس نے منافقت کے تمام دروازے بند کر دیئے تھے' ورنہ اس عہد میں منافقت عام تھی۔ یہ منافقت ہی تھی جسے فرزوق نے محسوس کیا تھا' اس نے ایک بار امام حسین ؑ سے ملاقات کی اور اس زمانے پر عمومی طور پر تبصرہ کیا۔

"لوگوں کے دل آپ کی طرف ہیں مگر تلواریں غیروں کے ساتھ ہیں۔"

امام حسین ؑ کو اس امر کا تجربہ تھا۔ انہوں نے لوگوں کی اس منافقانہ روش بدلنے کا تہیہ کیا۔ دوستوں اور دشمنوں کے درمیان خط فاصل کھینچ دیا تاکہ تمام مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ظاہرہ طور سے مسلمان ہیں مگر ان کے دلوں میں حضور ؐ کے قرابت داروں کا لحاظ نہیں ہے۔ امام حسین ؑ نے شہید ہو کر رہتی دنیا تک یہ امر واضح کر دیا کہ ایسے مسلمان بھی ہیں جو کلمہ تو محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا پڑھتے ہیں' اذان میں حضور کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں' مگر عملاً وہ حضور ؐ کے خاندان کو تہہ تیغ کرتے ہیں ان کے اہل خاندان کو قتل کرتے ہیں ان کے ناموس کو گلی کوچوں میں

گھمانے سے بھی احتراز نہیں کرتے۔ یہی وہ بات تھی جسے امام سجادؑ نے دربار یزید میں سرکاری موذن کو ٹوک کر کہا تھا۔

امام حسینؑ نے حضورؐ سے محبت کرنے والوں اور ان سے درپردہ دشمنی کرنے والوں کے چہروں سے نقاب اٹھادی' امام چہارم نے اپنے خطبات کے ذریعے لوگوں کو بار بار اس بات پر متوجہ کیا۔ کہ زبان سے حضورؐ کی محبت کا اظہار اور عملی طور سے ان کے خاندان سے دشمنی دو عملی کا مظہر ہے اور اسے معاشرے سے ختم ہونا چاہیے۔

امام حسینؑ نے ظالم کے سامنے قیام کرنے کا پیغام دیا۔ انہوں نے خود شہید ہو کر' اپنے عزیزوں اور رفقاء کو قتل ہوتا دیکھ کر اور یہ جان کر کہ ان کے بعد ان کے ناموس کو قیدی بنالیا جائے گا یہ بات بتادی کہ حق پرستی کے سامنے یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔ حسینؑ آج بھی اہل حق کے لئے سرمایہ عزت ہیں' امام حسینؑ کی حکومت دلوں پر قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گی مگر امویوں کی حکومت بہت محدود عرصہ پر مشتمل تھی۔ عباس محمود العقاد نے اسی بات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"بنی امیہ کا زمانہ ایک انسان کی طبعی عمر کے برابر بھی قائم نہیں رہ سکا۔"

امام حسینؑ نے پورے اسلامی معاشرے میں ایک انقلابی روح پھونک دی۔ ان کے اقدامات کے پس منظر' بنیادی مقاصد اور تاریخ اسلام پر اس کے اثرات لا محدود ہیں۔ کوئی قلم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا' امام حسینؑ اور ان کی شہادت پر سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ علماء نے خطبات دیئے۔ فلسفیوں نے اس کی تہہ در تہہ وضاحتیں کی ہیں۔ اس وقت موضوع گفتگو امام حسینؑ کی ذات گرامی اور کربلا نہیں ہے' اس لئے ہم ان امور سے سرسری اور اپنے شعور کی حد تک استفادہ کرتے ہوئے امام زین العابدینؑ کے افکار اور ان کے اثرات کو ہی موضوع گفتگو بنانے کی سعی کر رہے ہیں اور اس اعتراف کے ساتھ کہ امامؑ کے جو مقاصد تھے اور جو اثرات تاریخ نے قبول کئے تھے وہ کلی طور سے ہمارے احاطہ شعور میں نہیں آسکے۔ آئندہ زمانہ ان کے اثرات کے ظاہر کرنے میں کامیاب ہوگا۔ ہم تو اس کے ایک حصے تک پہنچ سکے ہیں۔ مثلاً امامؑ نے خطبات میں کربلا میں ہونے والے مظالم کا تذکرہ کیا یزید کے سامنے بھی مظالم پر احتجاج کیا۔ آج ہماری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ امامؑ کے مقاصد کیا تھے' آج جب کوئی بے خبر شخص

کربلا میں ہونے والے مظالم کا انکار کرتا ہے تو اس کو امام سجادؑ کے خطبات کے ذریعہ حقائق سے روشناس کرایا جاسکتا ہے' امامؑ نے اپنے خطبات میں یزید کے مجرم ہونے کو مستند کردیا ہے۔ ورنہ مسجد دمشق میں جب یزید کے سامنے امام مظالم کا تذکرہ کررہے تھے تو اس وقت یزید کو کیا امر مانع تھا کہ وہ امامؑ سے کہتا کہ اس کے حکم سے یہ سب نہیں ہوا۔ وہ خاموش رہا اور حیرانی سے اپنے حواریوں کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو دیکھتا رہا۔

یہ تھا امامؑ کا معجزہ کہ انہوں نے مستقبل کے ہر مورخ اور متعصب ترین شخص کو یزید کی حمایت کرنے سے روک دیا۔

امامؑ کے خطبات اور ان کی حکمت عملی کا جو ادراک ہمیں اب تک ہوسکا ہے وہ ادراک کا حق نہیں ہے' بس معمولی سا شعور ہے۔ اس شعور کی روشنی میں ہمارا خیال ہے کہ بنی امیہ کی مخالف تحریکوں کو بیدار کرنے میں امامؑ کے خطبات نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

یہ واضح رہے کہ خواہر امام حسینؑ جناب زینبؑ نے اس مہم میں برابر کا حصہ لیا ہے۔ اس لئے وہ شریکتہ الحسینؑ کہلاتی ہیں' ہم امام چہارمؑ کے سلسلے میں بار بار بی بی زینبؑ کا نام نہیں لے رہے ہیں مگر اپنے قارئین سے التماس کرتے ہیں کہ وہ بی بی زینبؑ کے کردار کو بھی ذہنوں میں محفوظ رکھیں۔ اب جو کچھ تاریخ کے پردے پر ظہور پذیر ہونے والا ہے' اس کے ماتھے پر صاف الفاظ میں حسینؑ کی شہادت' بی بی زینبؑ کے خطبات اور امام سجادؑ کی عملی کارروائی شامل ہے۔

امام زین العابدینؑ نے اہل کوفہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"تم نے میرے والد گرامی کو خط لکھے تھے' لیکن پھر تم نے انہیں دھوکا دیا' تم نے ان سے مستحکم وعدے کئے تھے لیکن پھر ان سے جنگ کے لئے کھڑے ہوگئے۔ خدا تمہیں غارت کرے۔ تم نے اپنی روسیاہی کا انتظام کیا ہے' کل تم حضور اکرمؐ کے سامنے کس منہ سے جاؤ گے؟"

امامؑ کے الفاظ سن کر اہل کوفہ رونے لگے تھے اور انہوں نے وعدے کرنا شروع کردیئے۔ امامؑ کی حمایت میں نعرے لگائے تھے تو امامؑ نے ان سے کہا تھا۔

"اے بے وفا مکارو! تم میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا چاہتے ہو جو تم نے میرے والد گرامی کے ساتھ کیا ہے۔ خدا کی قسم تمام زخم ابھی تازہ ہیں۔"

امامؑ نے مزید کہا تھا۔

"ہم صرف اتنا چاہتے ہیں کہ تم نہ ہمارا ساتھ دو نہ ہماری مخالفت کرو۔"

امام زین العابدینؑ کے خطبہ کے مندرجہ بالا اقتباسات اس لئے دہرائے گئے ہیں تاکہ ان میں پوشیدہ طنز کے اثرات کا مطالعہ کیا جا سکے۔ امامؑ کے خطبہ کے بعد لوگ ایک دوسرے کو سرزنش کرنے لگے۔ وہ لوگ جو یزید کی فوج کے اژدہام سے گھبرا گئے تھے یا مال و جان کے خوف نے ان سے قوت اظہار چھین لی تھی امام کے خطبہ کو سن کر ندامت سے پانی پانی ہو گئے۔ امامؑ نے اپنے خطبہ کے دوران ان کے نعروں کو مسترد کر کے انہیں اور شرمندہ کر دیا تھا۔ کوفہ کے لوگ احساس ندامت میں ڈوب گئے۔ وہ اپنی نظروں میں ذلیل و رسوا ہو گئے تھے' اب انہیں شرمندگی کا احساس کچھ کرنے پر اکسانے لگا تھا' اور یہی احساس ندامت ایک روز ابھر کر سامنے آ گیا۔ یہ تھا توابین کا انقلاب۔

توابین اس قدر پشیمان تھے کہ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ان کی پشیمانی کا علاج اس بات کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ امام حسینؑ کے قاتلوں کو قتل کر دیں اور اہل بیتؑ کو قیدی بنانے والے افراد کو ہلاک کر ڈالیں۔ امام چہارمؑ کا خطبہ ان کے دلوں کو کچوکے لگاتا تھا کہ ان کے نواح میں امام حسینؑ شہید ہو گئے۔ اور وہ ان کی مدد نہ کر سکے' ان میں وہ لوگ بھی تھے جو امام حسینؑ کے سچے پیروکار تھے مگر حکومت نے ان کو چوکی پر پہرے بٹھا کر اور قید خانوں کی دیواروں میں مقید کر کے امام حسینؑ کی نصرت سے محروم کر دیا تھا توابین میں وہ لوگ بھی تھے جو بنو امیہ کے حامی تھے مگر امام زین العابدینؑ کے خطبات نے انہیں یہ احساس دلایا تھا کہ ان کے قرب میں رسولؐ کا نواسہ شہید ہو گیا اور وہ ان کی مدد کے لئے نہ اٹھے۔ اس لئے آخرت میں ان سے باز پرس ہو گی یعنی توابین شیعان علیؑ اور حامیان امیر معاویہ دونوں طبقوں پر مشتمل تھے۔ انہیں امام حسینؑ کی شہادت پر احتجاج اور ندامت نے ایک جگہ متحد کر دیا گیا تھا۔ شیعان علیؑ امام حسینؑ کی شہادت پر مشتعل تھے' اور اس کا بدلہ ہر صورت میں حکمرانوں سے لینا چاہتے تھے۔ جب کہ بنی امیہ کے حامیوں کو احساس ندامت تھا کہ وہ اب تک اندھیرے میں رہے اور اپنی بے خبری میں

خاندان رسالتؐ سے دشمنی کرتے رہے۔ اب یہ دونوں طبقے قتل حسینؓ کا بدلہ لینے کے پروگرام پر متحد ہو گئے تھے۔ تمام توابین کو شیعان علیؓ گردانا تاریخی غلطی ہے اور غیر شیعہ افراد کے خلوص کو فراموش کر دینے کے مترادف ہے۔ توابین کسی خاص مسلک سے وابستہ نہیں تھے' ان میں سب تھے' شیعہ بھی اور غیر شیعہ بھی۔ بعض ناسمجھ لوگ شیعہ حضرات کو ماتم کرتا دیکھ کر ان کا سلسلہ توابین سے ملا دیتے ہیں تو ایک تاریخی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اہل کوفہ سخت تذبذب کی حالت میں تھے۔ ایک دن کوفہ کے پانچ بڑے سرداروں نے جمع ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کی۔ یہ پانچ سردار سلیمان بن صرد' مسیب' عبداللہ ازدی' عبداللہ تمیمی اور رفاعہ بن شداد بجلی تھے۔ سلیمان بن صرد کے گھر پر اجتماع ہوا اور لوگوں نے یہ عہد کیا کہ وہ خون حسینؓ کا بدلہ لئے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ قاتلان حسینؓ کو ہلاک کر دیں گے یا خود شہید ہو جائیں گے۔

یہ سب اکسٹھ ہجری میں ہو گیا۔ کسی واقعہ کے اس قدر جلد جامع اثرات کی پہلی مثال ہے اور ایسی صورت میں جب کہ مقابل قوتیں بہت مضبوط ہوں اور ان کا معاشی کنٹرول ہو اور تشدد کی سیاست پر عمل کیا جا رہا ہو۔

سلیمانؓ بن صرد خزاعی صحابی رسولؐ تھے ان کا نام یسار تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سلیمان مقرر فرمایا تھا۔ جنگ جمل اور صفین میں حضرت علیؓ کی جانثاری میں مصروف تھے۔ آپ ہی نے امام حسنؓ کی صلح کے وقت امام حسنؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا تھا۔۱۰

"ہمیں ابھی تک تعجب ہے کہ آپ نے معاویہ سے صلح کیوں کی جب کہ آپ کی حمایت میں کوفہ ہی سے چالیس ہزار کا لشکر لڑنے کے لئے موجود تھا۔ ان کے دوست اور بیٹے بھی آپ کی حمایت پر کمربستہ تھے' بصرہ اور حجاز میں آپ کے حامی موجود تھے' آپؑ نے معاویہ سے نہ وثیقہ لیا اور نہ بیت المال سے کچھ مخصوص کرایا۔ آپ نے اشراف کو صلح کے وقت گواہ بھی نہیں بنایا۔ معاویہ نے بغیر گواہ کے آپ سے کوئی وعدہ کر لیا۔ پھر اس نے وعدہ وفائی بھی نہیں کی۔ اس نے اپنے وعدوں کا پاس نہیں کیا۔ وہ تو تمام

وعدوں کو پیروں سے کچلنے کا برملا اظہار بھی کر چکا ہے اس نے معاہدہ کی خلاف ورزی خود کردی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو جنگ دوبارہ شروع کردی جائے میں آپؑ سے پہلے جا کر معاویہ کے نمائندہ کو کوفہ سے نکال باہر کروں گا۔"

امام حسنؑ نے سلیمان بن صرد کے جذبات کا احترام کیا مگر انہیں مناسب وقت کے انتظار کی نصیحت کی۔ آپؑ نے فرمایا۔

"اگر میں طاقت اور حکومت کے لئے قیام کرتا تو معاویہ مجھ سے زیادہ با اثر اور طاقت ور نہیں تھا۔ میری مصالحت کا مقصد مسلمانوں کی جان بچانا ہے۔"

امام حسنؑ نے بنی امیہ کے عزائم کو سمجھ لیا تھا۔ بنی امیہ اقتدار کے نشہ میں ہر برے عمل سے گزر سکتے تھے۔ ان لوگوں کا مقصد اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ہر قسم کی کارروائی کرنا تھا خواہ اس سے عام مسلمانوں کو کسی قدر بھی نقصان پہنچے امام حسنؑ نے بروقت قدم اٹھا کر بنی امیہ کی ان کارروائیوں کے لئے ہر قسم کے جواز کا خاتمہ کردیا۔

بنی امیہ نے اپنی حکومت کو دین کا لبادہ پہنا رکھا تھا مگر امام حسینؑ کی شہادت سے ان کا پردہ فاش ہو گیا۔ امام زین العابدینؑ کے خطبات نے لوگوں کو اصل حقائق سے روشناس کرایا۔ اہل کوفہ میں شورش کے آثار پیدا ہوئے۔ سماجی جمود ختم ہوا۔ لوگوں میں احساس پیدا ہوا کہ وہ بنی امیہ کی حکومت کے خلاف تنہا نہیں رہے دیگر لوگ بھی ان کے ہمنوا ہوئے مگر اس تحریک کی باگ ڈور خود شیعہ سرداروں کے ہاتھ میں رہی' جن میں جناب سلیمان بن صرد پیش پیش تھے۔ حضرت سلیمان بن صرد کے مکان پر جناب مسیب نے حاضرین سے خطاب کیا۔

"ہم نے فرزند رسولؐ کی آواز نہیں سنی وہ اس شہر کے قریب شہید کردیئے گئے۔ خدا اور اس کے رسولؐ کے سامنے پیش کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔ صرف ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہم حسینؑ کے قاتلوں سے انتقام لیں یا اس سلسلے میں اپنی جانیں نثار کردیں۔ خدا کو راضی کرنے کا بس یہی طریقہ ہے۔"

قائد تحریک جناب سلیمان بن صرد نے ضعیف ہونے کے باوجود جوان حوصلے اور دلیرانہ انداز میں گفتگو کی۔ وہ خاندان رسالتؐ کے ہمیشہ سے جاں نثار تھے۔ اپنے گرد اپنے موقف کے حامیوں کو دیکھ کر ان میں ایک نئی روح آگئی تھی۔ انہوں نے فرمایا۔

"اٹھو۔ تمہارا رب تم سے ناراض ہے۔ جب تک خدا کو راضی نہ کرلینا اپنے گھر لوٹ کر مت جانا۔ خدا اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہو گا جب تک کہ تم فرزند رسولؐ کا انتقام نہ لے لوگے۔ اس راہ میں قتل نہ ہو جاؤ گے' دلوں سے موت کا خوف نکال دو۔ موت سے ڈرنے والوں کی قسمت میں خواری ہے۔"

توابین کی تحریک نے چاروں طرف آگ لگادی' یہ مخلصان حسین کھلم کھلا ہتھیار جمع کرتے تھے۔ ان کا نعرہ بس ایک تھا "خون حسینؑ کا انتقام" ابتداء میں تو اس تحریک کو خفیہ طور سے منظم کیا گیا مگر آہستہ آہستہ لوگوں کے جذبے اور جوش نے تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ دیا۔ توابین نے قتل حسینؑ کا بدلہ لینے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔ اس ضمن میں وہ بے چین تھے۔ بعض کو احساس ندامت نے اور بعض کو محبت اہل بیتؑ نے مضطرب اور بے چین کر دیا تھا۔ ان سب کو اس امر پر اتفاق تھا کہ خون حسینؑ کا انتقام وقت کی اولین ضرورت ہے۔

توابین نے ۶۱ھ میں جنگی ساز و سامان جمع کرنا شروع کیا۔ یزید کے مرنے کے بعد توابین نے دیگر علاقوں کو وفود بھیجے۔ اور ہر طرف سے لبیک لبیک کی آواز آئی ربیع الثانی ۶۵ھ میں توابین قبر حسینؑ پر جمع ہوئے اس موقع پر توابین نے جناب سلیمان بن صرد کے ساتھ مل کر اجتماعی دعا کی ۔١

"اے اللہ حسین شہید ابن شہید پر رحمت نازل فرما۔ خداوند تو گواہ رہنا کہ ہم سب انہیں کے دین پر ہیں' ان ہی کے راستے پر چلنے والے ہیں ان کے قاتلوں کے دشمن ہیں اور ان کے دوستوں کے بہی خواہ ہیں۔"

اس کے بعد توابین نے قبر حسینؑ کے قریب نماز پڑھی۔ امام حسینؑ اور ان کے انصار کے لئے نزول رحمت کی دعا کی۔ لوگ مزید پرجوش ہو گئے۔

توابین کو اگرچہ شکست کا سامنا کرنا پڑا اور ایسا ہونا غیر متوقع نہیں تھا۔ کیونکہ یہ چار ہزار کی تعداد میں مقابل کے تیس ہزار ۔۲ سے نبرد آزمائی کے لئے نکلے تھے پھر بھی انہوں نے مقابل کو سخت مشکل میں ڈال دیا۔ جناب سلیمان بن صرد رجز پڑھتے ہوئے کہتے تھے۔

"جو آج کی رات جنت میں گزارنا چاہتا ہے' میرے ساتھ آئے توابین قتل کردیئے

گئے لیکن انہوں نے جو کچھ کہا تھا وہ کر دکھایا تھا۔ یہ تھا شہادت حسینؑ اور خطبہ امام سجادؑ کا اثر۔

مدینہ بھی بنی امیہ کے خلاف بغاوت کی لپیٹ میں آگیا۔ یہاں اس کی سربراہی عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھوں میں تھی وہ عبادت میں مصروف رہتے تھے اس لئے انہیں "راہب امت" کا لقب ملا ہوا تھا۔ انہوں نے علم بغاوت بلند کردیا۔ اہل مدینہ نے بنی امیہ کے نمائندوں کو شہر سے نکال دیا۔ یہ لوگ تعداد میں صرف ایک ہزار تھے۔ لیکن ان کے حوصلے بہت بلند تھے۔ یزید کو ان کا قلع قمع کرنے کے لئے ایک زبردست لشکر بھیجنا پڑا۔ یزیدی لشکر کے سپہ سالار مسلم بن عقبہ نے انتہائی تشدد کا مظاہرہ کر کے اہل مدینہ کو تہہ تیغ کردیا۔ عبداللہ ابن حنظلہ نے اپنے ہمراہیوں کو ایک خطبہ بھی دیا۔ ۱۳

"بلاد اسلام میں کوئی شہر ایسا نہیں ہے جس کے لوگوں سے خدا اتنا خوش ہوگا۔ جس قدر تم لوگوں سے ہے اور بلاد عرب میں کسی شہر کے لوگوں پر خدا ایسا غضب ناک نہ ہوگا جو تم سے لڑنے آئے ہیں، تم سب کو ایک دن مرنا ہے، خدا کی قسم کسی طرح کی موت شہید ہونے سے بہتر نہیں ہے۔"

عبداللہ بن حنظلہ اور ان کے رفقاء مارے گئے اس کے بعد مسلم بن عقبہ نے تین دن تک مدینہ منورہ میں قتل عام کا حکم دے دیا۔ ۱۴

جناب مختار ثقفی کا قیام بنی امیہ کے خلاف ایک اہم ترین واقعہ ہے، جناب مختار کربلا کے سانحہ کے وقت قید میں تھے، جب وہ رہا ہوئے تو واقعہ ظہور پذیر ہو چکا تھا۔ جناب مختار ثقفی کا نعرہ تھا۔ "آؤ خون حسینؑ کا انتقام لیں۔"

عبداللہ ابن زبیر کے نمائندے عبداللہ ابن مطیع نے مختار کے خلاف قاتلان حسینؑ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ مگر مختار ان معاملات میں فتح مند ہوئے، جناب مختار نے قاتلان حسینؑ کو چن چن کر قتل کردیا۔ لشکر یزید کے وہ بڑے بڑے سردار جو قتل امام حسینؑ کے ذمہ دار تھے قتل کردیئے گئے۔ مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جناب مختار نے ہر اس شخص کا مواخذہ کیا جو کسی بھی طرح امام حسینؑ کے قتل میں شریک تھا۔

امام حسینؑ کے شیر خوار بچے کے قاتل حرملہ کے ہاتھ پیر کاٹ کر اسے آگ میں جلا دیا گیا۔

خولی اپنے گھر میں چھپ گیا تھا' اس کے بھی ہاتھ پیر کاٹ کر اسے جلا دیا گیا۔
عمر بن سعد کو قتل کر دیا اور جب اس کے بیٹے حفص نے اپنے باپ کا سر دیکھا اور اظہار افسوس کیا تو جناب مختار نے کہا۔
"تجھے اپنے باپ کے بعد زندگی کی آرزو زیب نہیں دیتی' یہ کہہ کر اس کا بھی سر قلم کر دیا۔ حفص نے کہا تھا "اب زندگی میں لطف باقی نہیں رہا۔"
جناب مختار کہتے تھے۔
"خدا کی قسم اگر قریش کے چار حصوں میں سے تین حصے بھی حسینؑ کے بدلے میں قتل کر دوں تو کافی نہیں ہے۔"
جناب مختار نے ابن زیاد کا سر امام زین العابدینؑ کی خدمت میں بھیجا جسے دیکھ کر امام پہلی بار مسکرائے اور فرمایا۔
"خدا اس ملعون کو آتش جہنم میں جگہ دے۔"
اس دن امامؑ کے حکم پر اہل بیتؑ نے سوگ ختم کیا۔
امام زین العابدینؑ کے خطبات کے اثرات بہت دور تک نظر آتے ہیں۔ اگر اس وقت امامؑ لوگوں کو امام حسینؑ اور خاندان رسالتؐ پر ہونے والے مظالم کی نشر و اشاعت نہ کرتے تو بنی امیہ یقیناً ان واقعات کو چھپانے میں کامیاب ہو جاتے۔ وہ تو اس قدر جرات کرنے لگے تھے کہ امام حسینؑ اور ان کے والد گرامی کو (نعوذ باللہ) کذاب کہنے لگے تھے۔ مثلاً زیاد نے مسجد کوفہ میں امام حسینؑ کی شہادت اس طرح بیان کی تھی ۱۵۔

"شکر ہے خدا کا' جس نے اہل حق کو قوی کیا۔ امیر المومنین یزید بن معاویہ اور ان کے گروہ والوں کی نصرت کی۔ کذاب ابن کذاب حسینؑ بن علیؑ اور ان کے گروہ کو قتل کیا۔"

بنی امیہ اور ان کے حواریوں کا یہ حوصلہ ہو گیا تھا کہ وہ تمام احادیث نبویؐ کی موجودگی میں امام علیؑ اور امام حسینؑ پر سب و شتم سے باز نہیں آتے تھے اگرچہ اس وقت اہل حق ان کو ٹوک دیتے تھے جیسے عبداللہ ابن عفیف نے ابن زیاد کو ٹوک دیا تھا۔
"اے ابن زیاد کذاب تو تو اور تیرا باپ ہے۔"

ایسی صورت حال میں امام زین العابدین نے جہاد باللسان کیا اور دشمن کی بساط الٹ دی۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر شخص بنی امیہ کے مظالم سے روشناس ہوا اور اس پر نفرت کا اظہار کرنے لگا۔

بنی عباس کے احمد سفاح کے چچا عبداللہ بن علی کے پاس کچھ اموی آئے عبداللہ بن علی نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے قرابت کا واسطہ دیا۔ مگر عبداللہ بن علی نے انہیں قتل کرا دیا اور ان کی لاشوں پر بیٹھ کر دستر خوان سجایا اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"بنی امیہ پر یہ برا وقت حسینؑ کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے آیا۔"

یہ تھا امام زین العابدینؑ کے خطبات کا اثر کہ بنی امیہ اپنے مظالم کو چھپا نہ سکے اور انہیں اپنا کیا ہوا بھگتنا پڑا۔

باب ششم

مدینہ سے واپسی

امام زین العابدینؒ نے کوفہ اور شام میں جو خطبات دیئے ان کے اثرات بہت دور رس تھے' بعض اثرات فوری اور بہت بروقت تھے' یہاں تک کہ یزید عوام الناس اور خواص پر خطبات کے اثرات اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ اس نے مروان بن حکم سے مشورہ کیا۔ مروان بن حکم اہل بیت دشمنی میں مشہور تھا مگر اس وقت اس نے یہی مشورہ دیا کہ قیدیوں کو رہا کردیا جائے۔ یہ وہی مروان ہے جس نے کچھ عرصہ قبل حاکم مدینہ کو دارالامارہ میں امام حسینؑ کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ آج یہی مروان رہائی کا مشورہ دے رہا تھا اس میں اس کی خوش نیتی کو دخل نہیں تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اسیران کربلا نے لوگوں کو حکومت سے بدظن کرنا شروع کردیا ہے اور لوگ اس واقعے سے اس قدر برافروختہ ہو رہے ہیں کہ اس کے نتائج حاکم کے لئے ٹھیک نہیں ہوں گے' اس نے قیدیوں کی رہائی کا مشورہ دیا اور یزید نے رہائی کا پروانہ جاری کردیا۔ یہ رہائی خیر سگالی کے ضمن میں نہیں آتی بلکہ یہ اقدام یزید کا ایک مجبوری کا اقدام تھا۔ عوام کے غم و غصہ کو روکنے کے لئے اس کے پاس کوئی اور صورت نہیں تھی' وہ اس قدر مجبور ہوا کہ اس نے تمام واقعہ کی ذمہ داری ابن زیاد کے سر تھوپ دی۔ مگر اس کا یہ اعلان مکرو فریب پر مبنی تھا۔ اگر وہ ابن زیاد کی اس حرکت سے ناخوش ہوتا تو اس شخص سے باز پرس کرتا اس کے خلاف تادیبی کارروائی کرتا۔ مگر تاریخ میں اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یزید نے ابن زیاد کو ملزم ٹھہرانے اور اپنا دامن صاف ظاہر کرنے کا جو اعلان کیا تھا۔ وہ ایک فریب تھا۔ تاریخ اس کے فریب میں نہیں آئی۔ آج بھی یزید' ابن زیاد' ابن سعد اور شمر ذی الجوشن کے نام ظالموں کی فہرست میں آتے ہیں۔

امام زین العابدینؒ قید سے رہا ہو کر مدینہ واپس ہوئے۔ یزید نے نعمان بن بشیر

خزرجی کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ قافلے کے ساتھ مدینہ جائیں یہ نعمان اور ان کے والد بشیر صحابی تھے' بشیر بن سعد پہلے شخص تھے جنہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی یہ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں شام میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

جنگ صفین میں جو دو صحابی حضرت علیؓ کے خلاف اور امیر معاویہ کی حمایت میں نبرد آزما ہوئے ان میں ایک یہی نعمان بن بشیر تھے۔

نعمان بن بشیر کو یزید نے ان کے سابقہ طرز عمل کی وجہ سے قافلے کی نگرانی سپرد کی تھی مگر نعمان بن بشیر نے جس طرز کا مظاہرہ کیا' وہ قابل قدر رہا ہے' انہوں نے سارے راستے خبر گیری کا حق ادا کر دیا۔ ان کی خدمات کا اعتراف اہل بیتؑ نے بھی کیا ہے اہل بیتؑ نے نعمان بن بشیر کو انعام بھی دینا چاہا مگر نعمان نے کہا۔

"میں انعام نہیں لوں گا۔ میری خدمت خدا اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کی خاطر تھی۔"

امامؑ کے خطبات کا یہ ایک اثر تھا جس کی علامت نعمان بن بشیر تھے۔ اس ہی ایک مثال سے واضح ہوتا ہے کہ امامؑ اور بی بی زینبؑ کے خطبات نے مثبت اثرات ڈالے تھے اور دلوں کی کایا پلٹ دی تھی۔ امامؑ نے مظلومیت کے ذکر کے ذریعہ ظلم کے خلاف دلوں میں ایسے بیج بو دیئے جن کے ثمرات بہت جلد نظر آنے لگے۔

امامؑ کا قافلہ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو اہل قافلہ کو امامؑ نے مدینہ سے باہر روکا اور اپنے ایک فرستادہ کو مدینہ بھیجا تاکہ وہ جاکر شہادت امام حسینؑ کی اطلاع دے اور امامؑ اور دیگر مظلومین کی آمد سے باخبر کر دے۔

مدینہ میں امامؑ کی شہادت کی اطلاع پہلے سرکاری ذرائع سے پہونچ چکی تھی ابن زیاد نے ایک خصوصی ایلچی عبدالملک بن ابی حارث کے ذریعہ بہت تیز رفتاری سے مدینہ کے عامل عمرو بن سعید بن عاص کو قتل حسینؑ کی اطلاع پہونچادی تھی' جب عبدالملک نے اموی گورنر کو اپنے نزدیک یہ خوش خبری پہنچائی تو اموی گورنر عمرو بن سعید بہت خوش ہوا۔ اور اس نے ایلچی سے کہا کہ وہ گلی کوچوں اور بنی ہاشم کے محلوں میں قتل حسینؑ کا اعلان کرے۔

ایلچی نے جب مسرت بھرے لہجے میں قتل حسینؑ کا اعلان کیا تو بنی ہاشم کے گھروں

میں کہرام مچ گیا۔ یہی وہ موقع تھا جب اموی گورنر نے بنی ہاشم کے گریہ کو سن کر کہا تھا۔

"یہ ہے گریہ عثمان کا بدلہ۔"

اس نے شہادت حسینؑ کو حضرت عثمانؓ کے قتل کا بدلہ قرار دیا تھا۔ حالانکہ سب جانتے تھے کہ حضرت علیؑ نے اپنے طور سے معاملے کو بہت سلجھانا چاہا۔ مگر حضرت عثمانؓ کے معتمد افراد نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ سانحہ وقوع پذیر ہوا۔ اس واقعہ کو اموی گورنر نے امام حسینؑ کے قتل کا سبب قرار دیا تھا۔ دراصل یہ پالیسی امیر معاویہ کی اختیار کردہ تھی' انہوں نے قتل عثمانؓ کا ذمہ دار حضرت علیؑ کو ٹھہرانے کی مہم شروع کر کے اپنی خود مختاری کو مستحکم کیا تھا' یہی پالیسی اموی گورنر نے اختیار کی۔ ادھر یزید قتل حسینؑ کو بدر میں کفار کے قتل کا بدلہ قرار دے رہا تھا۔ غرض بنی امیہ امام حسینؑ کے قتل کو اپنے سابقہ سربراہوں اور سرداروں کے قتل کا بدلہ قرار دے کر جواز پیدا کر رہے تھے۔

اہل مدینہ نے شہادت امام حسینؑ کی خبر سرکاری ذرائع سے سنی تھی۔ اب یہ اطلاع انہیں امامؑ کے فرستادہ ایک صاحب بشیر کے ذریعہ ملی۔ دونوں اطلاعات کے طرز اظہار میں نمایاں فرق تھا۔ امامؑ کے فرستادہ نے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

"اے اہل مدینہ امام حسینؑ قتل کر دیئے گئے' ان کا جسم کربلا کے میدان میں خون میں لت پت ہوا اور ان کا سر نیزہ پر گھمایا گیا۔ بد طینت اور کافر سیرت لوگوں نے ان کے سر کو نیزہ پر چڑھایا۔"

اہل مدینہ غمزدہ قافلے کا پورے احترام اور سوگواری کے ساتھ خیر مقدم کرنے گھروں سے باہر نکلے اور شہر سے باہر اہل قافلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے امامؑ کو دیکھ کر لوگ ہچکیاں لے لے کر رونے لگے۔ امامؑ نے انہیں خاموش کیا اور ان کو مخاطب کرتے ہوئے ایک بار پھر کربلا میں ہونے والے مظالم بیان فرمائے۔ آپؑ نے کہا۔

"بیحد حمد ہے اس خالق کل کی جو سب کا پروردگار ہے۔ وہ روز جزا کا مالک ہے۔ عقلیں اس کے ادراک سے قاصر ہیں اس کی عظمت کے سامنے آسمان پست ہیں' وہ اللہ تعالیٰ جو سینوں کے اندر چھپے ہوئے بھید بھی جانتا ہے میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں اس نے ہمیں شدید حوادث' مصیبتوں اور دردناک حالات میں ثابت قدم رکھا۔"

"اے لوگو! اسلام کی عمارت میں رخنہ ڈال دیا گیا ہے۔ میرے والد گرامی اور ان کے رفقاء کو شہید کر دیا گیا' خواتین اور بچوں کو قیدی بنایا گیا' ان کا سر نیزہ پر بلند کیا گیا' یہ ایسا سانحہ ہے جس کی نظیر نہیں ہے۔"

امام اہل مدینہ کے سامنے خطبہ نہیں دے رہے تھے' امامؒ لوگوں کی ہمدردیوں کے طلبگار نہیں تھے۔ امامؒ تو عینی گواہ کی حیثیت سے تاریخ قلم بند کر رہے تھے۔ امامؒ کا منشاء یہی تھا کہ لوگ حکمرانوں کے ظلم و ستم سے واقف ہوں۔ حکمراں ٹولے کے اسلامی دعوؤں کی قلعی کھل جائے' حکمراں اہل بیتؑ کے جد امجد کا کلمہ پڑھتے تھے۔ کلمہ کی آڑ میں لوگوں پر حکومت کر رہے تھے' مگر اپنی تلواروں کے ذریعہ رسولؐ کے خاندان کے نیک اور پارسا لوگوں کے گلے کاٹ رہے تھے۔ امام حاکموں کے اس منافقانہ طرز زندگی سے خوب واقف تھے اور دوسروں کو بھی روشناس کرنا چاہتے تھے۔ امامؒ نے لوگوں کو بتایا۔

"ہمارے ساتھ وہ سلوک کیا گیا۔ جو مرتدوں اور کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے' ہم بے گناہ تھے' ہمارا کوئی جرم نہیں تھا۔ ہم اسلام کے سچے پیروکار تھے' بخدا اگر رسولؐ نے ہمارے خلاف جنگ کا حکم دیا ہوتا تو یہ لوگ اس سے زیادہ اور کچھ نہ کرتے۔

امام زین العابدینؒ نے واقعہ کربلا کے بعد اپنے مشن کو جاری رکھا۔ اگر کوئی شخص واقعات کربلا سناتا تو آپ اس کو بیحد عزت دیتے۔ یوں امامؒ نے کربلا کے واقعات کو امر ہونے کی سند عطا کر دی۔ اللہ تعالیٰ حقائق کو زندہ رکھنے کے لئے وسائل مہیا کرتا ہے۔ اسی نے امام زین العابدینؒ کی طاقت کلام کو کربلا کے تحفظ کا ذریعہ قرار دیا۔ اس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ امامؒ کی زبان سے کسی جھوٹ کا امکان اور مبالغہ کی امید نہیں۔ امامؒ کی پوری زندگی ہمارے سامنے ہے۔ آپؒ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا' آپؒ نے کبھی کسی پر غلط الزام نہیں لگایا' اپنے مخالفوں کو معاف کر دیا۔

مدینہ کا گورنر ہشام مخزومی تھا اس نے اہل مدینہ کو خصوصاً امام چہارمؑ کو سخت تکلیف پہنچائی تھی' جب ولید بن عبدالملک نے اسے معزول کیا تو اسے یہ سزا دی کہ اسے مروان بن حکم کے گھر کے سامنے کھڑا کر دیا گیا اور اہل مدینہ سے کہا گیا کہ ہر شخص اپنا بدلہ لے سکتا ہے' لوگ آتے' اسے لعنت کرتے' اس پر تھوکتے۔ مگر امامؒ جب وہاں

سے گزرے تو امامؑ نے اسے سلام کیا اور پوچھا۔

"اگر میں تمہاری کوئی خدمت کرسکتا ہوں تو مجھے بتاؤ۔"

یہ تھا امامؑ کا طرز زندگی کہ وہ اپنے اوپر زیادتی کرنے والوں کو معاف کردیتے تھے۔

لیکن واقعہ کربلا میں ضرور کوئی ایسی بات تھی کہ جسے امام نے کبھی معاف نہیں کیا۔

امامؑ کے سامنے کھانا لایا جاتا یا پانی پیش کیا جاتا تو امامؑ رو پڑتے اور کہتے۔

"یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ان میں ایک گم ہوگیا' حالانکہ یعقوبؑ کو یقین تھا کہ وہ زندہ ہے مگر وہ زار و قطار روتے تھے' میرے سامنے بھائی' چچا' باپ اور خاندان کے افراد کے علاوہ باپ کے انصار بھی خون میں نہا گئے' میں اس غم کو فراموش نہیں کرسکتا۔"

امام اس وقت۔ کربلا کے بعد پہلی مرتبہ مسکرائے جب ان کے سامنے ابن زیاد کا سر لایا گیا۔

واقعہ کربلا میں ظلم و ستم کی جو داستان پیش کی گئی تھی اس نے امامؑ کو سخت مضمحل کردیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ظلم کے یہ بانی مزید ظلم نہ کریں۔

امام سجادؑ نے ساری عمر غم حسینؑ کی نشر و اشاعت میں بسر کردی اور اس غم میں دلوں کو اس طرح سوگوار کیا کہ لوگوں کے دلوں میں ظلم سے نفرت اور مظلوم سے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوگئے تھے۔ بنی امیہ جو اس عہد میں ظلم کی علامت تھے' رفتہ رفتہ عوام کی نفرت کا شکار ہوگئے۔ یہ تھا امامؑ چہارم کا مشن جس نے حسینؑ کے مشن کی تکمیل کی۔

باب ہفتم

عبادت الٰہی

امام زین العابدینؑ جس عہد میں زندگی بسر کر رہے تھے وہ اپنے کلی تناظر میں خوف خدا سے عاری تھا۔ اجتماعی سطح پر اور انفرادی طور سے لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف نظر نہیں آتا تھا' اقتدار کی کشمکش اور حصول دولت کی ہوس نے عجیب افراتفری پیدا کردی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ ہر شخص جلد از جلد دنیا کے دامن سے ہر شے سمیٹنا چاہتا ہے۔ عام لوگ بے بسی سے صرف ادھر ادھر بھٹکنے پر مجبور تھے۔ ایک ایسا استحصالی معاشرہ وجود میں آگیا تھا جس میں اسلامی اقدار محض دکھاوے کی حد تک محدود تھیں۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ متبرک شہر ہیں مگر حکمرانوں نے ان شہروں کی حرمت کو بھی مجروح کردیا تھا۔ یزید بن امیر معاویہ کو اطلاع ملی کہ ان شہروں میں حکومت کے خلاف احتجاج ہو رہا ہے عوام الناس حکمران ٹولے کی ظالمانہ اور پر تشدد پالیسیوں سے دل برداشتہ ہیں۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو مدینہ منورہ پر فوج کشی کے لئے روانہ کیا۔ اس نے مسلم بن عقبہ کو خصوصی ہدایات بھی دیں۔۔۔ ۱۹۰

"اہل مدینہ کو تین روز غور و فکر کی مہلت دینا اور اگر اس اثناء میں وہ اطاعت قبول کرلیں تو درگزر کرنا ورنہ جنگ کرنے میں تامل نہ کرنا اور جب ان پر کامیابی حاصل ہوجائے تو تین روز تک قتل عام جاری رکھنا۔ مال و اسباب جو کچھ لوٹا جائے' وہ سب لشکریوں کا ہے۔"

یزید اس سے قبل امام حسینؑ کے سلسلے میں جو ہدایات دے چکا تھا ان کے نتائج سامنے آچکے تھے اور وہ تاریخ کو سوگوار کرچکے ہیں۔ ابھی ان واقعات پر عوامی رد عمل کا اظہار جاری تھا۔ یزید نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نواسے اور اہل بیتؑ کا خون اپنے چہرے پر مل کر حضورؐ کے شہر مدینہ النبیؐ پر فوج کشی کا حکم دے دیا۔ تین روز

تک قتل عام کی ہدایت کی اور صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ فوجیوں کو یہ بھی اجازت دے دی کہ اہل مدینہ کے مال و اسباب کو بھی لوٹ لیں۔

مدینہ منورہ اپنی تمام وسعتوں اور دیگر شہروں سے آنے والوں کے باوجود اپنی بنیادی نوعیت میں حضورؐ کا شہر تھا' اصحاب رسولؐ کے اہل خاندان وہاں آباد تھے بڑے بڑے جید انصاریوں کے محلے تھے' ایسے شہر کو یزید نے تین روز تک مباح کرنے کا حکم دے دیا اور اہل مدینہ کو لوٹنے کی ہدایت کی۔ خوف خدا سے دلوں کے عاری ہونے کا اس سے بڑھ کر مزید ثبوت کیا ہو گا کہ حاکم وقت جو خود کو خلافت نبیؐ کا دعوی دار قرار دے رہا ہو اپنے وحشی لشکر کو نبیؐ کا شہر تاراج کرنے اور اصحاب نبیؐ کے خاندانوں کو لوٹنے کی ہدایت دے رہا تھا۔

مسلم بن عقبہ نے اپنے حاکم کی ہدایت پر پوری طرح عمل کیا۔ ۱۷

"مسلم بن عقبہ قتل و غارت کرتا ہوا مدینہ میں داخل ہوا۔ تین روز تک قتل عام کا بازار گرم رکھا۔ شامی لشکر نے لوگوں کا مال و اسباب لوٹ لیا۔"

طبری کی ترجمہ شدہ جلد چہارم نفیس اکیڈمی کے صفحہ نمبر ۳۳۹ پر اس سلسلے میں عبارت یوں ہے۔

"مسلم نے تین دن تک مدینہ کی لوٹ شامیوں پر مباح کر دی وہ لوگوں کو قتل کرتے پھرتے تھے اور ان کا مال لوٹ لیتے تھے۔ صحابہ میں سے جو لوگ مدینہ میں تھے ہراساں تھے۔"

حصین بن نمیر جو واقعہ کربلا کے وقت لشکر شام میں اہم عہدے پر فائز تھا' مسلم بن عقبہ کے بعد سپہ سالار ہوا۔ اس نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے قریبی پہاڑیوں سے خانہ کعبہ پر سنگ باری کی۔ اور اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ آگ بھی برسائی جس سے پردے جل کر راکھ ہو گئے۔ حصین بن نمیر ابھی اور بھی تجاوز کرتا مگر یزید کے مرنے کی اطلاع ملی اور وہ بھی عبداللہ ابن زبیر کو پہلے ملی اور انہوں نے لشکر شام کو مخاطب کر کے یزید کے بارے میں اپنے فیصلہ کا بھی اعلان کیا۔ انہوں نے کہا۔ ۱۸

اے کم بختو! اے اللہ کے دشمنو! اب تم کیوں لڑ رہے ہو' تمہارا گمراہ سردار مر گیا۔"

خانہ کعبہ کی بے حرمتی کا ایک اور واقعہ حجاج بن یوسف کے ہاتھوں پیش آیا۔ اس نے عبدالملک بن مروان کی زیر ہدایت مکہ مکرمہ پر چڑھائی کر دی اور خانہ کعبہ پر سنگ باری جاری رکھی۔ حتیٰ کہ جناب عبداللہ ابن عمرؓ نے اس کو اس امر پر منع کیا اور وہ تھوڑے عرصے کے لئے باز رہا۔ کیونکہ حج کا موقع تھا۔ حجاج کو بذات خود حج کی ذرا پرواہ نہیں تھی اس نے تو سنگ باری کا حکم دے رکھا۔ عبداللہ ابن عمرؓ حج کرنے آئے ہوئے تھے انہوں نے حجاج کو کہلا بھیجا۔ ۱۹؎

"سنگ باری موقوف کرا دو۔ اللہ کے بندے اس محترم مکان کی زیارت کے لئے آئے ہوئے ہیں سنگ باری کی وجہ سے وہ طواف کر سکتے ہیں نہ سعی کر سکتے ہیں"

حجاج نے جناب عبداللہ ابن عمر کی سفارش پر خانہ کعبہ کو بخش دیا۔ جب حج کا وقت گزر گیا تو اس نے دوبارہ سنگ باری شروع کرادی۔ خانہ کعبہ پر پتھر کا لگنا تھا کہ آسمان میں ایک کڑک دار آواز پیدا ہوئی۔ تو حجاج کہنے لگا۔

"تم لوگ خوفزدہ نہ ہو۔ میں ابن تہامہ ہوں۔ یہ میری بجلیاں ہیں اور میری فتح کا نشان ہیں۔" ۲۰؎

ایک موقع پر جب حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے جناب عمرو نے اہل مدینہ سے وعدہ کا پاس کرتے ہوئے لشکر شام کو مدینہ کی خبریں دینے سے انکار کیا۔ تو سپہ سالار لشکر نے ان کو برا بھلا کہا۔ ان کی والدہ کی شان میں گستاخی کی یہاں تک کہ ان کے والدؓ کے احترام کو بالائے طاق رکھ دیا اور ان کی ریش مبارک کے سارے بال نوچ لئے۔

جناب عبداللہ ابن زبیر۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بید چہیتے بھانجے تھے، بی بی عائشہؓ ان سے کس قدر محبت کرتی تھیں اس کے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ معروف صحابی زبیر بن العوامؓ کے صاحبزادے ہیں۔ ان کی والدہ گرامی جناب اسماء بنت حضرت ابوبکرؓ ہیں یعنی یہ حضرت ابوبکرؓ کے نواسے ہیں۔ ان کے ساتھ حجاج بن یوسف نے جو سلوک کیا وہ تو قابل مذمت ہے ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ عبدالملک بن مروان نے جس رویہ کا اظہار کیا وہ بھی ملامت کے قابل ہے۔ جب عبدالملک کو جناب عبداللہ ابن زبیر کے قتل کی اطلاع ملی تو وہ ان کے بھائی کے سامنے بلا جھجک ۲۱؎ سجدہ شکر بجا لایا۔ حجاج بن یوسف نے جناب عبداللہ ابن زبیر کی لاش کو

صلیب پر آویزاں کردیا تھا۔

حجاج بن یوسف نے مکہ کے بعد مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ صحابہؓ کے ہاتھوں پر سیسہ گرم کرکے مہریں لگوائیں۔ ۲۲

اجتماعی اور انفرادی سطح پر بے عملی اور خوف خدا سے عاری جو واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ وہ ایک سرسری جائزہ کے مترادف ہیں۔ ان کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ایک عام شخص کو بھی اندازہ ہوجائے کہ اہل بیتؑ جن لوگوں کے درمیان زندگی بسر کررہے تھے وہ کس قدر بے اقدار لوگ تھے' ان کے پاس نہ قرابتوں کا لحاظ تھا نہ نسبتوں کا احترام تھا۔ وہ اذان سنتے تھے نمازیں پڑھتے تھے' حج کرتے تھے مگر ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف ختم ہوچکا تھا۔

امام زین العابدینؑ نے ایسے سماجی ماحول کے درمیان اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی کبریائی کو اپنی عبادت کے ذریعہ لوگوں پر آشکار کیا۔ آپؑ کی عبادت کو دیکھ کر ایک صاحب نے فرمایا تھا۔

"امامؑ جس وقت بارگاہ خداوندی میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو امامؑ کی حالت دیکھ کر خدا کی عظمت و بزرگی میری نظروں کے سامنے مجسم ہوجایا کرتی تھی۔ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"میرے والد ماجد جس وقت نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک معمولی سا غلام ایک عظیم ترین بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ خوف خدا سے سارا بدن لرزنے لگتا تھا اور چہرہ زرد ہوجایا کرتا تھا' اس طرح سے نماز بجالاتے تھے گویا یہی زندگی کی آخری نماز ہے۔"

ایک بار آپ نماز میں مصروف تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی۔ آپ کو پتہ بھی نہیں چلا' اطمینان سے نماز مکمل کی۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو کانپنے لگتے تھے۔ آپ سے کسی نے سبب دریافت کیا تو امامؑ نے فرمایا۔

"کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میں کس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔"

امام پنجم حضرت امام باقر علیہ السلام سے امامؑ کے نظریہ عبادت کی ایک روایت ملتی

ہے۔ آپؑ اکثر اپنے جد امجد حضرت علی السلام کا یہ قول دہراتے تھے۔

"ایک گروہ نے خدا کی عبادت اس کے خوف سے کی ہے یہ غلام والی عبادت ہے۔ ایک گروہ نے اس کی عبادت جنت کی رغبت میں کی ہے یہ تاجروں والی عبادت ہے۔ ایک گروہ نے اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے عبادت کی ہے۔ یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے۔

امام زین العابدینؑ نے آزاد لوگوں کی طرح عبادت کی' ان کے دل میں نہ لالچ تھا اور نہ خوف' بلکہ خدا کے لئے جذبات تشکر تھے۔ آپؑ اس کی کبریائی کے قائل تھے۔ آپ کے پیش کردہ نظریہ عبادت کی بازگشت سنائی دیتی رہی۔ بہت مدت کے بعد حضرت رابعہ بصری نے امامؑ کے طریقہ عبادت کو اختیار کیا۔ ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ رابعہ بصری ایک ہاتھ میں پانی سے بھرا ہوا برتن اور دوسرے ہاتھ میں دہکتی ہوئی لکڑی لئے جا رہی ہیں۔ کسی نے اس کا سبب دریافت کیا۔ حضرت رابعہ بصری نے فرمایا۔

"آگ سے جنت کو بھسم کروں گی اور پانی سے جہنم کو خاموش کروں گی تاکہ لوگ عبادت میں جنت کا لالچ یا جہنم کا خوف محسوس نہ کریں۔

امام نے عبادت کا وہ معیار مقرر کیا کہ آپؑ کو زین العابدین کا لقب ملا۔ آپؑ ہی سید سجاد کہلاتے ہیں' آپ کے یہ القاب عبادت الٰہی میں آپ کے اخلاص کا ثبوت ہیں' آج تک کسی نے وہ انہماک پیش نہیں کیا ہے جو امامؑ نے پیش کیا تھا۔ آپ کے جد حضرت علیؑ علیہ السلام کا واقعہ بھی ہمیں تاریخ سے ملتا ہے۔ کہ آپ کے بدن میں پیوستہ تیر صرف دوران عبادت ہی نکالا جا سکا تھا۔

علی ابن ابی طالبؑ ہوں یا علیؑ بن حسینؑ ان کے انہماک عبادت کا سبب حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات گرامی تھی' علی ابن ابی طالبؑ کو حضورؐ نے تربیت دی تھی۔ اور علی بن حسینؑ کی رگوں میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شرافت نسبی رواں دواں تھی۔

عبادت الٰہی کی سپر نے امامؑ کو نامساعد حالات میں جینے کا حوصلہ دیا تھا اسی کے وسیلے سے دشمنان اہل بیت آپؑ کو نقصان پہنچانے کی شدید خواہش رکھنے کے باوجود آپؑ کو زک دینے سے قاصر تھے' آپ نے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یاد رکھا۔

باب ہشتم

درگزر

امام زین العابدینؑ نے کربلا کے بعد جب بھی خطبہ دیا ہے تو اس میں آپؑ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے قرابت، حضرت علیؑ کی فضیلت اور اہل بیتؑ کے فضائل ضرور بیان کئے ہیں۔

امامؑ نے ان فضائل کا سہارا محض عوام اور خواص کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے نہیں لیا تھا۔ عوامی ہمدردیاں اور حمایت تو اہل بیتؑ کو حاصل تھیں۔ البتہ بنی امیہ نے دولت کے وسائل پر قبضہ کر رکھا تھا، ان کے پاس اندھا اقتدار تھا، ان کے مزاج تشدد پر آمادہ رہتے تھے، اس لئے عوام الناس ایک عالم خوف میں زندگی بسر کرتے تھے اور اپنی ہمدردیاں دلوں میں چھپائے رکھتے تھے۔ امامؑ کا مقصد ان کے دلوں میں اہل بیتؑ کی محبت مستحکم کرنا تھا اور اس میں وہ کامیاب رہے، یہ کامیابی آپؑ نے محض نعروں سے حاصل نہیں کی تھی۔ بلکہ اس ضمن میں آپ نے اپنے کردار کو ایک ایسا اعلیٰ نمونہ بنا کر پیش کیا کہ دنیا ان کی گرویدہ ہوگئی آج برسا برس گزر جانے کے بعد بھی کوئی شخص آپؑ کے کردار میں ذرا سی کمی کی نشاندہی نہیں کرسکتا۔ یہ آئمہ اہل بیتؑ کی مشترکہ خصوصیت ہے کہ ان کے کردار اعلیٰ اقدار کے حامل تھے۔

امامؑ نے اپنی ساری زندگی اسوہ حسنہ کی پیروی میں بسر کی۔ آپ نے اسی درگزر کا مظاہرہ کیا جس کا مظاہرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے تھے۔ آپ نے حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کی طرح درگزر کا طریقہ اختیار کیا اور اپنے دشمن سے بھی عفو اور خدا ترسی کا سلوک کیا۔ امامؑ جب حضور اکرمؐ کا حوالہ دے رہے ہوتے تھے تو وہ اس حوالے میں خلوص قلب سے نیک نیت تھے۔ امامؑ نے یزید کے موذن کو دوران اذان ٹوک کر حاکم وقت سے پوچھ لیا تھا۔

"محمد تیرے جد ہیں یا میرے جد۔"

آپ نے ایک شامی بوڑھے کو قرآن کی آیات کے ذریعہ اپنا تعارف کرتے ہوئے اسے بتادیا تھا کہ وہ قرابت داران رسولؐ میں ہیں آپ نے ایک طنز کرنے والے شخص سے کہا تھا' اذان محمدؐ کی رسالت کی گواہی کا اصل مفہوم کیا ہے۔ ان سب واقعات میں امامؑ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اپنے خونی رشتے کو واضح کیا تھا' یہ رشتہ ایک سچا رشتہ تھا۔ یہ سب جانتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں سارے نسب بے حقیقت ہیں' مگر حضورؐ سے قرابت داری ایسی شے ہے جو دنیا میں بھی باعث فخر ہے اور آخرت میں بھی اس پر ناز کیا جاسکتا ہے۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد اس ضمن میں موجود ہے۔

امامؑ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی پیروی میں جس در گزر سے کام لیا وہ قرابت خون کا عملی ثبوت ہے' دنیا جانتی ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسلام کا پیغام دیا تو آپؐ کے مخالفوں میں ابو جہل' ابولہب' خود حضرت عمرؓ اور ابو سفیان مع اپنی اہلیہ کس قدر متشدد تھے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عمرؓ کے ماموں ابو جہل تو اس قدر مخالف تھے کہ حضورؐ ان میں سے کسی ایک کے اسلام کے لئے دعا گو رہتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تو حضورؐ کے لبوں سے ان کے سابقہ رویے کے بارے میں ایک لفظ بھی سننے میں نہ آیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عفو و درگذر کی مثالیں ابو سفیان اور زوجہ ابو سفیان ہندہ سے اپ کا حسن سلوک ہے' ابو سفیان کے اسلام کے بارے میں ایک امر تو طے ہے کہ ابو سفیان کا شمار نہ تو مہاجرین میں ہوتا ہے اور نہ انصار میں حضورؐ کے خلاف ان کی کارروائیاں اظہر من الشمس تھیں' مگر جب مکہ فتح ہوا تو حضورؐ نے ان کے ساتھ درگذر کا سلوک کیا۔ حالانکہ اصحاب رسولؐ بعد میں بھی ابو سفیان سے زیادہ حسن ظن نہیں رکھتے تھے۔ خلافت اول اور خلافت دوئم میں ابو سفیان کا ذکر کسی مشاورت میں بھی نہیں ملتا۔ خود حضرت علیؑ نے ان سے کہا۔

"ابو سفیان تم کب سے اسلام کے دوست ہو گئے۔"

ابو سفیان کے اسلام لانے کے واقعے کو علامہ شبلی نعمانی نے صحیح بخاری کے

حوالے سے بیان کیا ہے۔ ۲۳

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابو سفیان سے پوچھا۔

"کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں آیا کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔

"ابو سفیان نے جواب دیا۔

"کوئی اور خدا ہوتا تو ہمارے کام آتا۔"

حضورؐ نے مزید سوال کیا۔

"کیا اس میں کچھ شک ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔"

اس موقع پر ابو سفیان نے بے حد گستاخانہ اور بے ہودہ جواب دیا جو حضورؐ کے سامنے کسی صاحب اسلام کو زیب نہیں دیتا۔ کہنے لگا۔

"اس میں ذرا شبہ ہے۔"

ابو سفیان سے حضورؐ نے درگذر سے کام لیا۔ ابو سفیان کی زوجہ ہندہ بنت عتبہ نے بھی مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ حضور نے ہندہ کا خون مباح قرار دیا تھا۔ مگر جب ہندہ اسلام لے آئی تو آپؐ نے درگذر سے کام لیا۔ حالانکہ اسلام لاتے وقت بھی ہندہ نے بیحد گستاخانہ کلام کیا تھا۔

حضور نے فرمایا چوری نہ کرنے' زنا نہ کرنے اور اولاد کو قتل نہ کرنے پر بیعت کرو۔

اس پر ہندہ نے بیحد گستاخانہ جواب دیا۔ اسے علامہ شبلیؒ ۔ ۲۴ نے نہ معلوم کس وجہ سے دلیری سے بھی تعبیر کیا ہے' کہنے لگی۔

"ہم نے انہیں پالا پوسا' مگر جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے انہیں بدر میں قتل کر دیا۔"

یہ وہ عورت ہے جس نے حضورؐ کے محبوب چچا حضرت امیر حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رحمت اللعالمین تھے' درگذر ان کا شعار تھا۔ آپ نے ابو سفیان کو بھی معاف کر دیا اور ہندہ سے بھی درگذر کیا۔

حضرت علی بھی عفو و درگذر کا پیکر تھے' جنگ صفین کے موقع پر امیر معاویہ نے نہر فرات پر قبضہ کر لیا۔ اور علیؓ کے لشکر کو سیرابی آب سے روک دیا۔ حضرت علیؓ نے سفیر بھیجے تاکہ پانی آزاد رکھا جائے۔ مگر امیر معاویہ راضی نہ ہوئے' آخر کار حضرت علیؓ کے

ہمراہیوں نے فرات پر قبضہ کرلیا۔ مگر حضرت علیؓ نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی پانی کو آزاد رکھا۔ آپ فرماتے تھے۔

"اللہ تعالیٰ نے نہر اس لئے جاری کی ہے کہ سب لوگ اس سے سیراب ہوں ہم اپنے حریف کو پیاسا نہیں رکھنا چاہتے۔"

عبدالرحمٰن ابن ملجم نے جب حضرت علیؓ پر وار کیا اور آپ زخمی ہو گئے تب بھی آپ کا جذبہ درگزر تھا کہ آپ نے فرمایا۔

"ابن ملجم کو اچھا کھانا کھلانا عزت کے ساتھ رکھنا' اگر میں اچھا ہو گیا تو اس کے معاملے پر غور کروں گا۔"

حضرت علیؓ کی تمام زندگی درگزر میں بسر ہوئی' حضورؐ کی وفات کے بعد دنیا نے حضرت علیؓ کو محو کرنے کی کوشش کی۔ آپ کی جنگی صلاحیتوں کو نظر انداز کیا گیا مگر حضرت علیؓ نے کبھی اس سلسلے میں رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ جب بھی آپؓ سے رائے اور مشورہ طلب کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے صائب مشورہ دیا حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے یہاں تک کہا۔

"اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔"

حضرت عثمان کا رویہ حضرت علیؓ کے رفقا کے ساتھ غیر ہمدردانہ تھا۔ مثلاً" حضرت ابوذر غفاریؓ کا معاملہ ہی لے لیجئے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت علیؓ کے مخلصین میں تھے۔ تاریخ احمدی از نواب احمد حسین خان صفحہ ۱۴۰ پر تاریخ ابن واضح کاتب کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری مسجد نبوی میں بیٹھ کر فرمایا کرتے تھے۔

"علی ابن ابی طالبؓ رسول مقبولؐ کے وصی اور وارث علم ہیں۔"

حضرت ابوذر غفاری حضرت عثمان کے رویے پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے صحابی رسولؐ کو سزا کے طور پر شام میں امیر معاویہ کے پاس بھیج دیا۔

مروج الذہب کے مطابق امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ وہ ابوذرؓ کو واپس بلالیں کیونکہ ان کے شام میں رہنے سے بڑے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہ کو لکھا کو ابوذرؓ کو واپس بھیج دیا جائے۔ ابوذر ایک بغیر پالان والے اونٹ پر واپس بھیجے گئے۔

حضرت عثمانؓ نے بعد ازاں حضرت ابوذر غفاریؓ کو ربذہ جلا وطن کر دیا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کو ایک اونٹ پر ان کی صاحبزادی کے ہمراہ مدینے سے نکال دیا گیا۔ اس موقع پر مروان نے حضرت علیؓ کو حضرت ابوذر غفاریؓ سے ملنے سے منع کیا۔ اور حضرت عثمانؓ سے حضرت علیؓ کی شکایت کی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ان کی نظر میں مروان علیؓ سے افضل ہے۔

یہ تھا حضرت عثمانؓ کا رویہ حضرت علیؓ کے ساتھ مگر جب حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کیا گیا تو حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی ہر ممکن مدد کی۔ انقلابیوں سے مذاکرات کئے۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو حضرت عثمانؓ کی محافظت پر مامور کیا۔ اس موقع پر حضرت علیؓ کے سلوک سے اس امر کا ذرہ برابر احساس نہیں ہوتا کہ حضرت عثمانؓ کا رویہ کیا رہا تھا۔

امام حسنؓ بھی درگذر کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ایک بار امام حسنؓ کسی راستے سے گذر رہے تھے کہ ایک شامی راستے میں ملا اور آپ کو برا بھلا کہنے لگا۔ آپ نے خاموشی سے اس کی ناگوار باتیں سنیں' پھر فرمایا۔۔۲۵

"بھائی میرا خیال ہے تو غریب ہے اور تجھے کچھ شک ہے اگر تو سوال کرے تو عطا کروں۔ طالب ہدایت ہو تو ہدایت کروں۔ سواری چاہتا ہو تو سواری دوں' بھوکا ہو تو سیر کر دوں' لباس کی ضرورت ہے تو لباس مہیا کر دوں' پناہ کی حاجت ہو تو پناہ دوں' میرا گھر وسیع ہے' اپنا سامان لے کر میرے ساتھ چل کر میرا مہمان ہو۔"

امام زین العابدینؓ کو بھی درگذر کی ایسی روایات ورثے میں ملی تھیں' جن کا مظاہرہ امامؓ نے بھی کیا۔ وہ اپنے زمانے میں اسوہ حسنہ" تربیت علیؓ اور خلق حسنؓ کے پیکر تھے۔

مروان بن حکم کی اولاد علیؓ سے دشمنی سب کو معلوم ہے وہ تو امام حسنؓ کے سامنے بھی حضرت علیؓ کو برا بھلا کہنے سے نہ چوکتا تھا۔ وہ امام حسنؓ کے روضہ رسولؐ میں دفن ہونے میں بھی مانع ہوا تھا۔ امام حسینؓ کے قتل کا طلب گار اور خواہش مند تھا' اس کے باوجود جب مروان بن حکم اور دیگر بنی امیہ پر برا وقت آیا تو امامؓ نے درگذر کے جذبے سے کام لیتے ہوئے تمام بنی امیہ کو پناہ دی۔ اور مروان بن حکم کی زوجہ عائشہ بنت عثمانؓ

نے آپ کے گھر پناہ لی۔

مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ جب پر آشوب دور سے گذر رہے تھے عبداللہ ابن زبیر اور بنی امیہ کی چپقلش نے نازک صورت اختیار کر لی تھی' عبداللہ بن حنظلہ نے بنی امیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ اس وقت بنی امیہ سخت مشکل میں تھے مروان بن حکم نے سردار بنی امیہ کی حیثیت سے اپنی قوم کے مفادات کی حفاظت کا ذمہ لیا مروان نے امامؑ سے گذارش کی اور مروان کی زوجہ عائشہ جو حضرت عثمانؓ کی صاحبزادی ہیں۔ جناب سید سجادؑ کی امان میں رہیں۔۲۶۔ بعض حوالہ جات کے مطابق بنی امیہ کے چالیس افراد امام زین العابدینؑ کی پناہ میں رہے۔

اس خطرناک موقع پر طبری کے مطابق مروان بن حکم نے ابن عمرؓ سے بھی مدد اور تعاون کی درخواست کی تھی اور ان سے کہا تھا کہ وہ بنی امیہ کو تحفظ فراہم کردیں مگر انہوں نے پہلو تہی کی البتہ امام زین العابدینؑ نے بلا جبل و حجت مروان کی درخواست کو قبول فرمالیا تھا۔

امامؑ کے عزیزوں میں سے ایک شخص نے امامؑ کو برا بھلا کہا۔ امامؑ تھوڑی دیر کے بعد اپنے رفقاء کے ہمراہ اس کے گھر گئے اور اس سے فرمایا۔

"ابھی تھوڑی دیر قبل تم میرے پاس آئے تھے' تم نے جو کچھ مجھ سے کہا اگر وہ چیزیں مجھ میں پائی جاتی ہیں تو خدا مجھے معاف کرے اور اگر وہ باتیں مجھ میں نہیں ہیں تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ تجھے معاف فرمائے۔"

حصین بن نمیر لشکر یزید کا سپہ سالار تھا اور کربلا میں بھی امام حسینؑ پر کی جانے والی یلغار میں شریک تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے امام حسینؑ کے لشکر کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا۔

"اے اہل بیت رسولؐ تمہاری نمازیں قبول نہیں ہوں گی۔"

یہ شخص عبداللہ ابن زبیر کی سرکوبی کے لئے مکہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا' جب اسے یزید کے مرنے کی اطلاع ملی تو وہ واپس لوٹا' اس کے لشکر کو چارہ کی ضرورت تھی۔ امامؑ نے اس کے لئے چارہ بلا قیمت فراہم کیا۔ حصین بن نمیر نے آپ سے اپنا تعارف کرایا۔ اور انہیں حکومت کی پیشکش کی۔ جسے امامؑ نے سنی ان سنی کر دیا۔ میں نے ایک عالم کو

ایک نجی محفل میں یہ کہتے سنا ہے کہ امامؑ زین العابدینؑ نے حصین بن نمیر کی بات نہ مان کر غلطی کی مگر ایک دن یہی صاحب فرمانے لگے کہ عبداللہ ابن زبیر نے بہت اچھا کیا جو حصین بن نمیر کی جانب سے حکومت کی پیشکش مسترد کر دی۔

حصین بن نمیر نے عبداللہ ابن زبیر کو بھی اسی قسم کی پیشکش کی تھی ۲۷۔ ان عالم کا ایک ہی واقعہ کا متضاد تجزیہ محل نظر ہے۔ امام کا رویہ تو حق بجانب تھا۔ حصین بن نمیر ایک ظالم شخص تھا' جس نے حرمت کعبہ کا لحاظ بھی نہیں کیا تھا۔ جو اہل بیتؑ کی نمازوں کو بارگاہ خداوندی میں نامقبول سمجھتا تھا۔ ایسے شخص سے امامؑ کسی خوش نیتی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ پھر اس قسم کا واقعہ تو حضرت علیؑ کے ساتھ بھی پیش آ چکا تھا۔ جب ابو سفیان نے حضرت علیؑ کو حصول خلافت میں بھرپور تعاون کی پیشکش کی تھی جسے حضرت علیؑ نے مسترد کر دیا تھا' حصین بن نمیر ابو سفیان کے حواریوں میں سے تھا۔ امامؑ کا اس کی پیشکش کو مسترد کرنا ہی مناسب تھا جب کہ عبداللہ ابن زبیر جو خلافت کے خواہش مند رہے تھے حصین بن نمیر کو دھتکار چکے تھے۔

امام زین العابدینؑ ایک بار کہیں جا رہے تھے کہ ایک شخص نے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضرت نے فرمایا۔

"اے شخص! اگر تجھے کوئی ضرورت درپیش ہے تو بیان کر۔"

آپؑ نے اس کو ایک چادر اور ایک ہزار درہم عنایت کیے۔

ہشام بن اسمٰعیل مخزومی کو عبدالملک بن مروان نے مدینہ کا عامل مقرر کیا۔ ہشام بہت درشت مزاج شخص تھا۔ وہ امام زین العابدین اور اہل بیتؑ کی شان میں کھلم کھلا گستاخیاں کیا کرتا تھا۔ جب ولید تخت حکومت پر متمکن ہوا تو اس نے ہشام مخزومی کو معزول کر دیا۔ اور اسے مروان بن حکم کے گھر کے سامنے کھڑا کر کے اہل مدینہ سے کہا گیا کہ ہر شخص اس سے اپنا بدلہ لے سکتا ہے' لوگ اپنا اپنا بدلہ لینے لگے۔ کوئی اس کے طمانچے مارتا کوئی اسے گالیاں دیتا' اتنے میں امام زین العابدینؑ ادھر سے گذرے' انہوں نے اسے سلام کیا' اس سے مصافحہ کیا۔ اور فرمایا ۲۸۔

"اگر تم کو کوئی حاجت درپیش ہو تو بیان کرو' میں پوری کروں گا۔ اگر سرکاری قرضہ ہو تو میں اس کی ادائگی کر دوں گا۔"

امامؒ کے رفقاء نے بھی ہشام مخزومی کے ساتھ سابقہ مظالم کا کوئی بدلہ نہیں لیا۔ امامؒ نے فرمایا تھا۔

"ہشام بے قوت اور معزول شخص ہے کمزور لوگوں کو ستانا اچھا فعل نہیں ہے۔"

امام زین العابدینؒ کا ایک غلام تھا۔ ایک دن مہمانوں کی خاطرداری کے دوران اس کے ہاتھ کی ایک گرم سلاخ امامؒ کے ایک خوردسال بچے کے سر پر لگی، جس کی ضرب سے وہ بچہ موقع پر ہی جاں بحق ہوگیا۔ آپؒ نے اس غلام کو معاف کردیا اور فرمایا۔

"تم نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہے۔ جاؤ اس کی تجہیز و تکفین کا سامان کرو۔ تم آزاد ہو۔"

امامؒ نے اس غلام کو معاف کردیا۔ اسے آزاد بھی کردیا۔ حالانکہ وہ زمانہ غلاموں پر بے حد سختی کا تھا، بڑے بڑے محدثین، جو حضورؐ کے اقوال کے حافظ سمجھے جاتے تھے، غلاموں کے ساتھ اچھے سلوک کے روادار نہیں تھے۔۲۹

مشہور امام حدیث محمد بن مسلم عبید اللہ شہاب زہری کا ایک واقعہ عبدالعزیز سید الاھل نے عقد فرید جلد دوم کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔ امام زہری عبدالملک بن مروان سے ملنے گئے اس نے ایک علمی سوال پر ان کی بہت پذیرائی کی۔ اور یہ بہت سے انعام و اکرام کے ساتھ واپس ہوئے۔ راستے میں ان کا ایک مال والا تھیلا غائب ہوگیا، زہری کو غلام پر شبہ ہوا۔ اس سے پوچھ گچھ کی۔ اور اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور اسے بےحد زدوکوب کیا، حتیٰ کہ غلام مرگیا۔

امام حدیث زہری کا رویہ اور امام زین العابدینؒ کے رویہ کا فرق دونوں کے مزاج کے اختلاف کا بین ثبوت ہے۔ ایسے زمانے میں جب لوگ مال و دولت کے لئے محض شبہ کی بنیاد پر غلاموں کو مار ڈالنے سے نہیں چوکتے تھے امام زین العابدینؒ اولاد جیسی نعمت کے ضیاع کو بھی برداشت کرتے تھے اور غلام کو نہ صرف معاف بلکہ آزاد بھی کردیتے تھے۔

باب نہم

اولاد

امام زین العابدین نے تین شادیاں کیں۔ آپ کی اولاد کی جملہ تعداد پندرہ تھی۔ جن میں گیارہ صاجزادے اور چار صاجزادیاں تھیں۔

(۱) امام محمد باقرؑ (۲) عبدالباہر (۳) زید جو زید شہید کہلاتے ہیں۔ (۴) عمر (۵) حسن (۶) حسین (۷) حسینؑ (۸) عبدالرحمٰن (۹) سلیمان (۱۰) علی جواد (۱۱) محمد اصغر (۱۲) خدیجہ (۱۳) فاطمہ (۱۴) ام کلثوم (۱۵) عطیہ

امام کے دو صاجزادے تاریخ ساز شخصیت کے مالک تھے۔

- امام باقر علیہ اسلام
- اور حضرت زید شہید

امام باقر پانچویں امام ہیں' ان کا اصل نام محمد ہے' کنیت ابو جعفر' اور لقب باقر ہے۔ واقعہ کربلا کے وقت آپ کی عمر چار سال تھی۔

آپ عبادت الٰہی کا خصوصی شغف رکھتے تھے۔ دن میں ڈیڑھ سو رکعتیں پڑھا کرتے تھے' علم حدیث میں مستند تھے۔ آپ کے شاگردوں میں اوزاعی' اعمش' امام زھری وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

امام باقرؑ علم میں کامل تھے' اسی وجہ سے باقر کہلاتے تھے' یعنی وہ علم کی اندرونی تہہ تک پہنچ گئے تھے۔ عربی زبان میں باقر پھاڑنے والے کو کہتے ہیں۔ اس لئے آپ کو باقر العلوم کہا جاتا تھا۔ آپ کے صاجزادے وہی ہیں جو بعد ازاں چھٹے امام ہوئے اور جعفر صادق کہلائے ہیں۔

امام باقرؑ سے اخذ روایت کرنے والوں میں امام ابو حنیفہ کا نام ملتا ہے امام باقرؑ کو ہشام بن عبدالملک نے ولید ابن مغیرہ کے ذریعہ شہید کرادیا تھا۔

بوقت شہادت آپ کی عمر ۵۷ برس تھی ۷ ذالحج ۱۱۴ھ کو یہ سانحہ پیش آیا تھا۔

زید شہید

جناب زید ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے' عبادت الٰہی اور تلاوت قرآن مجید میں مصروف رہتے تھے۔ اپ کو حلیف القرآن کہا جاتا تھا۔

آپ حاکم مدینہ خالدبن عبدالمالک کے اہانت آمیز رویہ سے بجد کبیدہ خاطر تھے۔ اس کی شکایت لے کر ہشام بن عبدالملک سے ملنے گئے۔ ہشام نے اپنے اقتدار کے زعم میں ان سے ملنے سے انکار کردیا۔ اور جب ملنے کا موقع دیا تو بر سر دربار جناب زید کی تضحیک کی' انہیں طنزاً "کنیز زادہ کہا۔

جناب زید شہید نے کہا کہ کنیز زادہ ہونا باعث ملامت نہیں ہے جناب اسمٰعیل بھی کنیز زادے تھے۔ ہشام نے ان سے کہا۔ ۳۰

"تم میری مخالفت کرتے ہو اور خلافت کے متمنی ہو' حالانکہ تم اس کے اھل نہیں ہو۔ جاؤ خروج کر سکو تو کر ڈالو۔"

آپ نے فرمایا۔

"میں ایسا خروج نہیں کروں گا جو تم کو جبر نہ گذرے۔"

ہشام نے غصے میں اپنے درباریوں سے کہا۔ ۳۱

"اس سرپھرے کو یہاں سے نکال دو۔"

آپ کو حراست میں لے کر شام کی حدود سے نکال دیا گیا۔ آپ نے عراق کا رخ کیا۔ اہل کوفہ نے آپ سے بیعت کرلی۔ حاکم عراق یوسف ابن عمر ثقفی نے اس تحریک کو کچلنے کے لئے طاقت استعمال کی۔ حضرت زید لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اس موقع پر انہیں شکست کا سامنا نہ کرنا پڑتا مگر انہیں طے شدہ وقت سے پہلے جنگ چھیڑنا پڑ گئی' اس لئے دوسرے شہروں سے ان کا رابطہ نہ ہوسکا۔ دیگر شہروں میں ان کے رفقاء مقررہ وقت کے منتظر تھے۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ کو پانی کی ایک گذرگاہ میں گڑھا کھود کر دفن کردیا۔ یوسف ثقفی نے ایک مخبر کی مدد سے پتہ چلالیا۔ ان کا سر کاٹ کر ہشام کے پاس بھیج دیا گیا اور آپ کی لاش چار سال تک کناسہ کوفہ میں سولی پر لٹکی رہی اس کے بعد ہشام کے وارث ولید ابن یزید کے حکم سے یوسف ثقفی نے لاش کو جلا کر خاک میں

اڑا دیا۔ وقت شہادت آپ کی عمر چالیس برس تھی۔ یہ سانحہ صفر کی ۲ اور ۱۲۱ھ ہجری میں پیش آیا۔

زید شہید چھوٹے سے تھے تو امام زین العابدین اپنے صاحبزادے کو چومتے تھے اور فرماتے تھے۔ "ان پروائے ہو جو تجھے کناسہ میں سولی پر چڑھائیں گے۔"

امام ابو حنیفہؒ نے حضرت زید شہید کی مالی امداد بھی کی۔ وہ کہتے تھے۔

"زید کا خروج بدر میں حضورؐ کی جنگ سے مشابہ ہے۔" ۳۲

اصحاب / شاگرد

امام زین العابدینؑ جس عہد سے نبرد آزما رہے وہ سیاسی افراتفری' اقتدار پرستی اور حصول دولت کے لئے سبقت لے جانے کا دور تھا۔ سیاسی خلفشار نے عام لوگوں کے لئے مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ زندگی غیر محفوظ تھی طبقہ خواص معاشی جنگ میں منہمک تھا۔ صاحبان علوم دینی' حاکموں کی جنبش ابرو پر فتوے دیتے تھے' ایسے زمانے میں امام کو اپنے فرائض ادا کرنے تھے۔ انہیں لوگوں کی روحانی زندگی کو منظم کرنا تھا۔ دینی عوامل میں رہبری کرنا تھا۔ عوام سے مضبوط اور مستحکم رابطہ رکھنا بہت ضروری تھا۔ لیکن حکمران انہیں کسی قسم کی آزادی دینے کے روادار نہیں تھے' عوام سے امامؑ کے رابطہ کو شکوک کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ایسے ہی شک کی بناء پر امامؑ کو زنجیروں میں جکڑ کر دارالخلافہ لے جایا گیا تھا۔ امامؑ ان ناساعد حالات میں اپنے فریضہ دینی کی ادائیگی بھی چاہتے تھے۔ یہ ایسا مسئلہ تھا کہ حکومت وقت اسے کسی طرح قبول کرنے پر تیار نہیں تھی۔ حکومت تشدد اور طاقت کے بل بوتے پر قائم تھی' عوام میں اس کی جڑیں نہیں تھیں جبکہ امامؑ عوام کے دلوں پر حکومت کر رہے تھے۔ حکومت ان باتوں سے کلی طور سے آشنا تھی۔ اس لئے وہ ایسا کوئی موقع دینا نہیں چاہتی تھی۔ جہاں امامؑ اور عوام کے درمیان ربط و ضبط میں اضافہ ہو۔ حکومت کی بیجا سختیوں اور روک ٹوک کے باوجود امامؑ نے عوام سے اپنا رشتہ قائم رکھا تھا۔ انہوں نے اپنے گرد ایسے لوگ جمع کر لئے جن میں حصول علم کی پیاس تھی۔ یہ لوگ امامؑ کی تربیت سے صاحب کردار ٹھہرے' امامؑ کے عوامی رابطہ کا سب سے بڑا ثبوت امامؑ کے اصحاب اور شاگردوں کی کثیر تعداد ہے۔ شیخ

طوسی کے مطابق ایک سو ستر علماء کے حالات ملتے ہیں جنھوں نے براہ راست امامؑ سے یا امامؑ کے اصحاب سے اکتساب فیض کیا ہے۔

امامؑ سے وابستہ علماء کے اسم گرامی کی طویل فہرست میں سے چند اہم نام ہیں سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، ابو حمزہ ثمالی، ابو خالد کابلی، طاؤس بن کیسان۔

ان اصحاب باصفا کے حالات تمام اہم تاریخی حوالوں میں محفوظ ہیں۔ ان کی علمی قابلیت اور جرائتمندانہ طرز زندگی سے تاریخ کے اوراق رخشندہ اور تابندہ ہیں۔

سعید بن جبیر اہل بیت سے خصوصی محبت رکھتے تھے۔ اسی بناء پر آپ کا شمار امام زین العابدینؑ کے اصحاب میں ہوتا تھا۔ جناب سعید بن جبیر تفسیر فقہ، عبادت اور زہد میں بڑا مقام رکھتے تھے۔ جناب سعید نے اہل بیت کے مداح جناب عبداللہ بن عباس سے اکتساب علم کیا تھا، جناب عبداللہ ابن عباس اس بات سے خوش ہوتے تھے کہ جناب سعید ان سے حفظ شدہ احادیث بیان کریں جناب سعید کو فقہ میں کمال بھی حاصل تھا۔ جناب عبداللہ ابن عباسؓ آپ کی فقہی استعداد پر بیحد اعتماد تھا۔ اگر کوفہ کا کوئی شخص جناب عبداللہ ابن عباس سے فقہی مسئلہ دریافت کرتا تھا تو جناب عبداللہ اسے جناب سعید سے رابطہ قائم کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔

جناب سعید احادیث دوسروں تک پہونچانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اس ضمن میں آپ کا فرمانا تھا۔ ۳۳۔

"مجھے حدیث بیان کرنا زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ میں اسے اپنی قبر میں ساتھ لے جاؤں۔"

جناب سعید بن جبیر خوف الٰہی سے اشکبار رہتے تھے۔ آخرت کے بارے میں قرآن پاک کی آیات کی تلاوت اکثر کرتے تھے، صبح صادق سے فجر کی نماز تک عبادت الٰہی میں مستغرق رہتے تھے، رمضان المبارک کے دنوں میں ایک نشست ہی میں قرآن مجید ختم کرکے اٹھتے تھے۔ عام دنوں میں تلاوت قرآن پاک سے خصوصی شغف رکھتے تھے۔ دو راتوں میں قرآن مجید ختم کرلینا ان کی عادت تھی۔ تمام مشہور قراتوں کے عالم تھے۔

سعید بن جبیر محبت علیؑ کی وجہ سے اپنے زمانے کے ظالم اور علیؑ کے دشمن شخص

حجاج بن یوسف کے ظلم کا نشانہ بنے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حجاج کی دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ جبیر حکومت کے ایک مخالف محمد بن عبدالرحمٰن بن اشعث کے حامی تھے لیکن حجاج بن یوسف نے سعید بن جبیر کو گرفتار کرنے کے بعد جو سوال و جواب کئے ہیں ان میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں چبھتے ہوئے سوالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی اصلی دشمنی حضرت علیؓ کی وجہ سے تھی۔ اس معاملے میں حجاج بن یوسف کا رویہ بہت واضح تھا۔ وہ حضرت عثمانؓ کے مخالفوں کا جانی دشمن تھا۔ اور ان کو قتل کرنا اپنے فرائض میں گردانتا تھا۔ بنی امیہ کے دیگر افراد کی طرح وہ علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں میں گردانتا تھا۔ اس کے مزاج کا ایک اور واقعہ وہ ہے جو حضرت سالم بن عبداللہ ابن عمرؓ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ۳۴

حجاج بن یوسف نے سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ ایک ایسے شخص کو قتل کردیں جس کا شمار حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے معاونین میں ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے پوتے تلوار لے کر اس شخص کے پاس گئے اور اس سے پوچھا۔

"تم مسلمان ہو۔؟"

اس شخص نے بے خوفی سے کہا۔ "میں مسلمان ہوں مگر آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے پورا کریں۔"

آپ نے اس سے پوچھا۔

"کیا تم نے صبح کی نماز ادا کی ہے۔"

اس نے اثبات میں جواب دیا تو جناب سالم تلوار لے کر حجاج کے پاس واپس گئے اور تلوار اس کے سامنے پھینک کر کہا۔

"یہ شخص مسلمان ہے، اس نے آج صبح تک نماز پڑھی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ خدا کے حفظ و امان میں آگیا۔"

حجاج بن یوسف نے کہا۔

"ہم اسے صبح کی نماز کے لئے تھوڑی قتل کرتے ہیں بلکہ اس لئے قتل کرتے ہیں کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے معاونوں میں ہے۔"

حجاج بن یوسف کا یہ رویہ اس کی دشمنی کا سبب ہوتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے قتل کی پاداش میں لوگ قتل کر دیئے جاتے تھے' حجاج حضرت علیؓ کا بھی سخت دشمن تھا۔ ایک بار اس نے محمد بن قاسم کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ وہ ایک شخص کو اس بات پر معاف کر سکتا ہے کہ دشمن حضرت علیؓ پر تبرا کرے۔ حجاج بن یوسف کی حضرت علیؓ سے دشمنی اس کے دن رات کا وظیفہ تھی' اس نے جناب سعید بن جبیر سے بھی سوال کیا تھا۔

"علیؓ اور عثمانؓ کے بارے میں کیا رائے ہے وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں۔؟"

حضرت علیؓ کو بنی امیہ فاسق کہتے تھے اور یہ وہ زمانہ ہے جب تک حضرت عمر بن عبدالعزیز خلافت پر فائز نہیں ہوئے تھے اور مسجدوں میں حضرت علیؓ پر سب دشتم دینی فریضے کی طرح رائج تھا۔ ایسی صورت میں حجاج بن یوسف حضرت علیؓ کے بارے میں یقیناً" کوئی اچھی رائے سننے کا طلب گار نہیں تھا۔ تاہم حضرت سعید بن جبیر نے ایسا کوئی جواب نہیں دیا۔ جو حجاج کو ان کے قتل کا جواز ثابت کرنے کا موقع دیتا۔

حجاج بن یوسف نے حضرت سعید بن جبیر کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد حجاج کو پھر کبھی خوش گوار نیند میسر نہیں آئی۔ وہ راتوں کو چونک کر اٹھتا تھا اور آخر کار اسی جنون کی حالت میں مر گیا۔

سعید بن جبیر کی شہادت کے بعد حجاج کے حکم سے ان کی پنڈلیاں کاٹ کر وہ بیڑیاں نکال لی گئیں جو انہیں پہنائی گئی تھیں۔ ۔ ۳۵

سعید بن مسیب

ان کا شمار بھی امامؑ کے اصحاب میں ہوتا ہے' انہوں نے عملی زندگی کا آغاز عبداللہ ابن زبیر کے دعوے خلافت سے کیا۔ انہوں نے عبداللہ ابن زبیر کی بیعت سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے انہیں کوڑوں کی سزا بھگتنا پڑی۔

دوسری بار انہیں عبدالملک بن مروان کے عامل ہشام بن اسمٰعیل مخزومی جیسے خود پرست شخص کے ہاتھوں ولید بن عبدالملک کی بیعت سے انکار پر ٹاٹ کے کپڑے پہنا کر پورے مدینہ میں گھمایا گیا اور اس جگہ لے جا کر واپس لایا گیا' جہاں سولی دی جاتی تھی۔ اس کا مقصد جناب سعید کو خوف زدہ کرنا اور اہل مدینہ کے سامنے حکومت کی طاقت

کا مظاہرہ تھا۔ یہ اطلاع جب عبدالملک کو ہوئی تو اس نے کہا۔ ۳۶

"اس سے بہتر تھا کہ انکار بیعت پر قتل کر دیتا یا معاف کر دیتا۔"

ہشام مخزومی نے جناب سعید پر تشدد بھی کیا۔ اور انہیں برا بھلا بھی بہت کہا تھا۔ مگر انہوں نے اس کی معزولی ۸۶ ہجری کے موقع پر اس سے کوئی بدلہ نہیں لیا۔ حالانکہ اس وقت سب لوگ ہشام سے بدلہ لینے میں آزاد تھے۔

سعید بن مسیب اپنے عہد کے بہت پرہیزگار اور عابد و زاہد شخص تھے۔ ان کے متقی ہونے کے سلسلے میں ان کے ہمعصر یک زبان تھے۔

سعید بن مسیب کو تفسیر قرآن پاک پر بھی کمال حاصل تھا۔ احادیث سے انہیں خاص شغف تھا۔ اس سلسلے میں وہ کئی کئی دن سفر بھی کرتے تھے۔ ان کا شمار ائمہ فقہ میں ہوتا تھا، جب کوئی شخص مدینہ آکر کسی فقیہ سے ملنا چاہتا تھا تو لوگ اسی سعید بن مسیب کے گھر کا پتہ بتا دیا کرتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز، بن شہاب زہری اور حسن بصری کے اقوال سعید بن مسیب کے علمی فضائل کے اعتراف میں موجود ہیں۔ انہیں تعبیر خواب پر بہت عبور تھا۔

انہیں نماز باجماعت کا بیحد ذوق تھا۔ وہ اس سلسلے میں کبھی ناغہ کے مرتکب نہیں ہوئے۔ بعض روایات کے مطابق چالیس سال اور بعض روایات کے مطابق انہوں نے کبھی نماز باجماعت کا ناغہ نہیں کیا۔ اس ضمن میں اس قدر متشدد تھے کہ بیماری میں بھی ایسی جگہ جانے سے گریز کیا۔ جہاں باجماعت نماز کا امکان نہ ہو، جب یزید نے مدینہ کا محاصرہ کر رکھا تھا اور مدینہ پر سنگ باری جاری تھی اور فتح کے بعد یزید کی فوجیں تین روز تک اہل مدینہ کا قتل عام کر رہی تھیں، جناب سعید بن مسیب نے مسجد میں جانا ترک نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ بنی امیہ انہیں مجنون اور دیوانہ کہنے لگے تھے۔

حج کا ناغہ بھی نہیں کرتے تھے، لیکن ایک بار حکومت نے انہیں حج کرنے سے روک دیا۔

علی بن زید نے کہا۔ "لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو حج سے اس لئے روکا گیا ہے کیونکہ آپ نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ خانہ کعبہ کو دیکھ کر آل مروان کے لئے بددعا کریں گے۔" آپ نے فرمایا۔

"میں تو ہر نماز میں ان کے لئے بد دعا کرتا ہوں' رہا حج کا معاملہ تو میں بیس حج کر چکا ہوں۔"

عبدالملک بن مروان اور ولید بن عبدالملک بہت سخت اور آمرانہ ذہنیت کے حاکم تھے۔ لیکن سعید بن مسیب ان سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوئے۔ ۷۳

ایک بار ولید بن عبدالملک اپنے دور حکومت میں مسجد نبویؐ کا معائنہ کرنے آیا۔ سب لوگ مسجد سے نکال دیئے گئے۔ ان سے بھی کہا گیا کہ مسجد سے اٹھ جائیں آپ نے فرمایا۔

"جو میرے اٹھنے کا وقت ہے اس سے پہلے تو میں ہرگز نہ اٹھوں گا۔"

ان سے کہا گیا کہ حاکم کو سلام کرلیں' اس پر بھی انہوں نے انکار کردیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ولی عہد کو مسجد کے مختلف حصے دکھا رہے تھے۔ وہ طبعیتا" پاکباز شخص تھے اور اہل علم کی عزت فرماتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ولید کی نظر جناب سعید پر نہ پڑے وہ اس کے مزاج سے واقف تھے اور جناب سعید کی دلیری سے بھی آشنا تھے وہ چاہتے تھے کہ ولید کو اس وقت تک ادھر ادھر مصروف رکھیں۔ جب تک جناب سعید اٹھ کر نہ چلے جائیں۔

ولید کی نگاہ سعید بن مسیب پر پڑ گئی تو اس نے پہچان لیا۔ اس موقع پر جناب عمر بن عبدالعزیز نے کہا۔

"انہیں کم نظر آتا ہے اگر انہیں معلوم ہوتا کہ آپ یہاں موجود ہیں تو ضرور سلام کو آتے۔"

ولید ان کے پاس خود گیا۔ مگر انہوں نے سلام کا جواب دینے اور خیریت معلوم کرنے کے سوا کسی تعظیم کا اظہار نہیں کیا۔

سعید بن مسیب ۹۴ ہجری میں وفات پا گئے۔

حکم بن عتیبہ

ان کا شمار کوفہ کے ممتاز ترین علماء میں ہوتا تھا۔ اہل علم کے مطابق کوفہ میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ احادیث کے حافظ تھے۔ اہم حفاظ حدیث سے اکتساب کیا تھا

عبادت گذار تھے۔ زندگی کے تمام امور میں سنت نبویؐ کا لحاظ رکھتے تھے ان کا احترام بہت تھا۔ اہل مدینہ ان کی بیحد عزت کرتے تھے۔ ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔

طاؤس بن کیسان

بیحد عبادت گذار تھے۔ نماز بستر مرگ پر بھی ترک نہیں کی۔ زندگی میں چالیس حج کرنے کا موقع ملا' حج کے زمانے ہی میں ۱۰۶ ہجری میں وفات پائی۔ جنازے میں اس قدر ہجوم تھا کہ حکومت کے ہرکارے پہونچ گئے تھے۔

حکومت اور حکمران سے گریز کرتے تھے اسی بے نیازی کی وجہ سے وہ اپنے دور کے ابوذر کہلاتے تھے۔ ایک بار حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف کے یہاں ایک صاحب کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا۔ سردی کی وجہ سے محمد بن یوسف نے اپنی گرم چادر ان کے اوپر ڈال دی' انہوں نے کندھے ہلا کر اسے گرا دیا۔ محمد بن یوسف سخت برافروختہ ہوا۔ یہ طرز زندگی ان کے بیٹے عبداللہ تک میں تھیں انہوں نے ایک مرتبہ منصور عباسی کو قلم دوات اٹھا کر نہیں دیا۔ مبادا اس کے ظالمانہ احکامات میں شرکت نہ ہو جائے۔

ابو حمزہ ثمالیؒ

آپ کا اصل نام ثابت بن دینار ہے۔ آپ کا شمار کوفہ کے ان شیوخ میں تھا جو شیعان علیؑ میں سمجھے جاتے تھے۔ آپ مخالفین علیؑ کے ہر قسم کے تشدد دباؤ اور لالچ کے باوجود اہل بیتؑ رسولؐ کی حمایت پر کمربستہ رہے۔

جناب ابو حمزہ ثمالی کو اپنے عہد کا سلمان فارسی کہا جاتا تھا۔ جناب ابو حمزہ ثمالی نے چار آئمہ کی خدمت میں زندگی گذاری یعنی امام زین العابدینؑ امام باقرؑ امام جعفر صادقؑ اور کچھ وقت امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ۔

امام جعفر صادقؑ کا قول ہے۔

"میں جب ابو حمزہ ثمالی کو دیکھتا ہوں تو مجھے طمانیت حاصل ہوتی ہے۔"

آپ کی دعا میں بہت تاثیر تھی' ایک بار آپ کی بچی گری جس سے اس کی دونوں

کلائیوں کی ہڈیاں متاثر ہوئیں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جس کی وجہ سے بچی کی کلائیاں ٹھیک ہو گئیں۔

ایک بار امام زین العابدین کوفہ کی مسجد میں نماز ادا کر رہے تھے۔ ابو حمزہ انہیں پہچانتے نہیں تھے۔ مگر امام کی قرائت اور انہماک نماز سے ابو حمزہ ثمالی بیحد متاثر ہوئے۔ امامؑ جب نماز کے بعد تشریف لے جانے لگے تو ابو حمزہ فرط عقیدت میں ان کے پیچھے گئے۔ اور ان کے غلام سے دریافت کیا جس نے ابو حمزہ ثمالی کو بتایا کہ وہ کس شخص کا تعارف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ امام علی بن حسینؑ ہیں۔

اس موقع پر امام زین العابدین نے مسجد کوفہ میں نماز کی ادائیگی کی اہمیت بتائی' اور دوسرا اہم امر ان پر حضرت علیؓ کے مدفن کی نشاندہی کرنا تھا۔

امامؑ نے ابو حمزہ سے کہا۔ "کیا تم میرے ساتھ میرے جد امجد علی ابن ابطالبؓ کے مدفن پر جانا چاہتے ہو؟"

ابو حمزہ نے اشتیاق ظاہر کیا تو امامؑ ابو حمزہ کو حضرت علیؓ کے مدفن پر لے گئے۔ اس وقت تک عام لوگوں کو حضرت علیؓ کے مدفن کا علم نہیں تھا۔

حضرت علیؓ کے مدفن کی زیارت کے بعد ابو حمزہ کوفہ لوٹ آئے اور حضرت امام زین العابدینؑ مدینہ لوٹ گئے۔ اس کے بعد ابو حمزہ ثمالی مدفن حضرت علیؓ پر جایا کرتے تھے اور دیگر علماء ان سے فیض حاصل کرنے وہیں آیا کرتے تھے۔

اس واقعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس جگہ آج حضرت علیؓ کا روضہ واقع ہے اس کے لئے امام زین العابدینؑ کی تصدیق شامل ہے۔ اور ان کے پیروکار وہیں جمع ہوا کرتے تھے۔ اور یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت علیؓ مدفون ہیں اس لئے تمام دیگر روایات بے بنیاد ہیں۔

باب دہم

صحیفہ سجادیہ

امام زین العابدینؑ نے واقعہ کربلا کے بعد تنہا زندگی گزاری۔ حکمراں طبقہ ان کی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھتا تھا۔ آپؑ کے اصحاب کو اذیت دینا اور موقع ملتے ہی انہیں قتل کر دینا حکمرانوں نے اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے ضروری سمجھ رکھا تھا۔ امامؑ کے سلسلے میں ذرا ذرا سی خبریں دار الخلافہ تک پہونچائی جاتی تھیں۔ انہیں زنجیروں میں جکڑ کر حاکم وقت نے محض اس خوف سے بلا لیا تھا کہ امامؑ اس کے خلاف محاذ آرائی کرنے والے ہیں یہ واقعہ دشمن اہل بیتؑ عبدالملک بن مروان کے زمانے کا ہے۔ اسے اس کے بیٹے ہشام اور ہشام کے مصاحبین نے بھڑکا دیا تھا۔ حج کے موقع پر حاجیوں نے جس طرح امامؑ کے لئے عزت و احترام کا اظہار کیا تھا حکمران ٹولہ اس سے لرز گیا تھا۔

اہل حکومت امامؑ سے خوفزدہ رہتے تھے۔ عوام میں ان کی عزت و تکریم نے اقتدار اور اس کے حاشیہ نشینوں کے لئے لمحہ فکریہ پیدا کر دیا تھا۔ وہ امامؑ کے دوست داروں کو قتل کر دیتے تھے' مثلاً" جناب سعید بن جبیر کی شہادت اس بات کی گواہ ہے تاہم امامؑ نے جس حکمت عملی سے زندگی گذاری' اس کی وجہ سے اہل اقتدار کو ایسا موقع نہیں مل سکا جس کو جواز بنا کر وہ امامؑ کو قتل کر سکتے' یہی نہیں بلکہ امام حسینؑ کے بعد کسی حاکم کی یہ جرات بھی نہ ہو سکی کہ وہ اہل بیتؑ کے کسی شخص سے بیعت طلب کرے۔ واقعہ کربلا نے اہل حکومت کو یہ باور کرا دیا تھا کہ خاندان نبوتؐ کے افراد اپنے حق سے دستبرداری اختیار کر سکتے ہیں مصالحت اور مشاورت کا طریقہ کار اپنا سکتے ہیں اور صلح تک کر سکتے ہیں' لیکن اپنے حق کو بیعت کر کے منسوخ نہیں کر سکتے۔ اس کا اظہار امام حسینؑ نے اپنی شہادت کے ذریعہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد تاریخ کے کسی جابر سے جابر حاکم نے اہل بیتؑ سے بیعت طلب نہیں کی۔ البتہ ان کے نام پر بیعت لی جاتی رہی اور لوگ جوق در جوق اہل بیتؑ کے نام پر بیعت کے لئے نکل آتے تھے۔ ہر ظالم معاشرے اور

جابر حکمرانوں کے خلاف اہل بیتؑ سب سے پسندیدہ اور قابل اعتبار افراد تھے۔ عوام کو یقین تھا کہ صرف اہل بیتؑ انہیں سماجی اور معاشی استحصال سے نجات دلا سکتے ہیں۔ اہل بیتؑ آنے والے زمانے میں اصلاح معاشرہ' سیاسی شرافت اور معاشی مساوات کی علامت بن چکے تھے۔ اہل بیتؑ کو سیاسی اور سماجی امن وامان کی علامت بنانے میں حضرت علیؑ حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ کی سرگرمیاں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں تو وہاں حضرت زین العابدینؑ نے بھی بڑے دور رس اثرات ڈالے ہیں۔

امام زین العابدینؑ کو سیاسی روابط کے مواقع بہت کم تھے ان سے ملنے والے یا تو حکومت سے خوف زدہ لوگ تھے' بعض ایسے لوگ تھے جو حکومت کے حاشیہ بردار تھے مثلاً" ۳۸۔ ان کے شاگردوں میں ابو مسلمہ عبدالرحمٰن' طاؤس بن کیسان' امام محمد بن مسلم زہری' ابو الزناد' عاصم بن عمر بن قتادہ' عاصم بن عبداللہ' قعقاع بن حکیم' زید بن اسلم' حکیم بن عتیبہ' حبیب بن ابی ثابت ابو الاسد' محمد بن عبدالرحمٰن یحییٰ بن سعید انصاری' ہشام بن عروہ علی بن زید جدعان کا نام بیان کیا جاتا ہے۔

ابو الزناد ۳۹ ہشام بن عبدالملک کے معتمد تھے۔ مروان کے زمانے میں حج کے موقع پر منادی کرا دی جاتی تھی کہ حاجیوں کو یحییٰ بن سعید کے علاوہ کسی اور سے فتویٰ لینے کا حق نہیں ہے۔ ۴۰۔ زہری تو عبدالملک اور اس کے بعد ہشام بن عبدالملک کے دربار سے وابستہ بھی رہے اور مالی فیض بھی پاتے رہے' ہشام کے دربار میں ان کی رائے تھی ۴۱۔

"امیر المومنین کی مجلس ایسی ہے کہ اس سے علمی استفادہ کیا جائے۔"

ہشام بن عروہ نے اپنے اوپر قرض کی ادائیگی کے لئے ابو جعفر منصور عباسی سے درخواست کی تھی جسے اس نے جزوی طور پر منظور کر لیا تھا۔ ۴۲۔

امامؑ ایسی صورت حال میں جب کہ ان سے منسوب افراد حاکموں کی حلقہ بگوشی میں بھی شامل ہوں۔ اپنے مشن کی تکمیل میں ازحد تنہائی کا شکار تھے۔ اہل علم کا حال یہ تھا اور اہل حکومت کڑی نگرانی کر رہے تھے۔ لیکن اہل بیت نے ایسا طریقہ کار اختیار کر رکھا تھا کہ ان سے بیعت کی طلب گاری کا رجحان ختم ہو گیا تھا۔

یزید کے حکم پر مسلم بن عقبہ نے مدینہ پر یلغار کی۔ تین روز تک اس نے حاکم شام

کی ہدایت پر ظلم و ستم کا بازار جاری رکھا اصحاب رسولؐ کا ناموس اور اولاد بھی شامی تشدد سے محفوظ نہیں تھے۔ طبری جلد چہارم ۲۲۳ اور ابن خلدون جلد دوئم میں بھی یہ واقعہ موجود ہے کہ ابن عقبہ کے سپاہی لوگوں کو گرفتار کر کے لاتے تھے اور ان سے زبردستی اس امر پر بیعت لی جاتی تھی کہ وہ سب یزید کے غلام ہیں وہ ان کے مال واسباب اہل و عیال کا مالک ہے۔

اس ظالمانہ اور مشرکانہ بیعت سے کوئی شخص محفوظ نہیں تھا۔ اصحاب رسولؐ اس کافرانہ طریقہ بیعت کے سامنے ششدر اور حیران تھے۔ اس نے امام زین العابدینؑ کو بھی طلب کیا تھا مگر انہیں بہت عزت واحترام سے گھر واپس بھیج دیا۔ وہ شخص جو ہر ایک کو یزید کی غلامی پر بیعت کر رہا تھا۔ امامؑ سے اس نے اس سلسلے میں بالکل گفتگو نہیں کی۔

امام افراتفری اور تنہائی کی زندگی کے باوجود اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں تھے۔ امامؑ ہونے کے ناطے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کی بناء پر ان پر یہ ذمہ داری تھی کہ وہ لوگوں کی ذہنی اور روحانی تربیت کریں۔ امامؑ کو بہرحال یہ ذمہ داری ادا کرنا ہوتی ہے۔ خواہ لوگ درجہ امامت سے متعارف ہوں یا نہ ہوں۔ امامؑ کا عہد گزشتہ زمانوں سے مختلف تھا۔ حضرت علیؑ کے جاں نثار اصحاب بہت تھے' ابوذرؓ' سلمانؓ' میثمؓ' ابوایوب انصاریؓ' مالک اشترؓ اور عمارؓ یاسرؓ وغیرہ' امام حسینؑ کے اصحاب کی جاں نثاری کی گواہ ارض کربلا ہے۔

امام زین العابدینؑ کو جس عہد کا سامنا تھا' اس میں نہ تصادم کی پالیسی اختیار کی جاسکتی تھی' نہ صلح کی' بس ایک راستہ تھا' وہ یہ کہ ہر قسم کے تصادم سے گریز کیا جائے۔ اس کے باوجود امامؑ نے عوام سے رابطہ اور ان کی ذہنی اور روحانی تربیت سے گریز نہیں کیا۔ آپ نے اس امر کو بروئے کار لانے کے لئے دعا کا وسیلہ اختیار کیا۔ یہ ایسی حکمت عملی تھی جس کو اقتدار نہ سمجھ سکا۔ وہ اسے اپنے مزاج کے مطابق بے عمل زندگی کا وظیفہ سمجھ کر غیر اہم سمجھا کئے۔ لیکن امام نے دعاؤں کے ذریعے اہل حق سے رابطہ بحال رکھا۔ امامؑ نے اس طرح یہ بات عیاں کردی کہ سیاست صرف تلوار ہی سے نہیں ہوتی بلکہ عبادت بھی سیاسی اثرات کی حامل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے ایک عہد ہے کہ اس کے بندوں کی بھلائی اور بہتری کے لئے کسی لحہ غفلت اختیار نہیں کی جائے گی۔

دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بندہ کی عاجزانہ گفتگو ہے' اس کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے۔ دعا کے لئے قرآن پاک اور احادیث سے ثبوت ملتے ہیں' مثلاً "ارشاد رب العزت ہے۔

"تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ مجھ سے دعا مانگو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے!

"دعا مومن کا ہتھیار' اور دین کا ستون ہے۔"

خود امام زین العابدینؑ کا قول ہے۔

"دعا بلا اور مصیبت کو ٹال دیتی ہے۔"

امام زین العابدینؑ نے اپنی دعاؤں کی ترتیب و تدوین۔ ۴۳ میں بذات خود توجہ فرمائی۔ آپ نے اس کی حفاظت کے لئے جملہ احتیاطیں اور سامان فراہم کئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ان دعاؤں پر الحاقی یا وضعی ہونے کا شبہ تک نہیں گزر سکا۔

امامؑ کی یہ دعائیں محفوظ اور معتبر وسائل سے ہم تک پہونچی ہیں' اس مجموعہ کو صحیفہ سجادؑ" صحیفہ کامل' زبور آل محمدؐ اور انجیل اہل بیتؑ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس میں چون دعائیں ہیں جو اپنے موضوعات کے اعتبار سے توحید الٰہی سے لے کر عمومی دینی اور سماجی زندگی تک کا احاطہ کرتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش

اس میں اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات کا ذکر ہے اس کی وحدت یکتائی جلالت اور عظمت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام

اس میں حضورؐ کی ستائش اور اہل بیت رسولؐ کا تعارف کرایا گیا ہے۔ ان امور کا ذکر ہے۔ جو رسول اور آل رسولؐ نے خوشنودی خدا کے لئے ادا کر دیئے۔

۳۔ حاملان عرش اور مقرب فرشتوں پر سلام

اس میں حاملان عرش اور مقرب فرشتوں کے اوصاف اور مدارج کا ذکر کیا گیا ہے۔
اس دعا میں دس فرشتوں کا نام لیا گیا ہے۔ جبرئیلؑ میکائیلؑ اسرافیلؑ عزرائیلؑ روح (القدس) منکر، نکیر، رومان، رضوان اور مالک

۴۔ انبیاء پر ایمان لانے والوں کے حق میں دعا

ایمان میں سبقت کی فضیلت کے لئے یہ دعا ایک ثبوت کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ فرض یاد دلاتی ہے کہ گزشتہ اہل ایمان کی مغفرت کے لئے دعائے خیر کی جائے۔

۵۔ اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے

اس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ حاجت براری کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کا دامن تھاما جائے، اپنی توقعات کی تکمیل کے لئے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہونا چاہئے اس میں محمدؐ و آل محمدؐ پر درود کی تکرار ہے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس کے بغیر دعا باریاب نہیں ہو سکتی۔

۶۔ صبح و شام کی دعا

اس میں دن رات کے کرشمہ انگیز تبدل کا ذکر کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے شکر، حضور کے اسوہ حسنہ پر چلنے، اسلام کی سربلندی، حق کی حمایت اور کمزوروں کی حمایت کے لئے اللہ کی جانب سے توفیق طلب کی گئی ہے۔

۷۔ غم، مصیبت اور بے چینی کے وقت

مصائب اور مشکلات کے وقت اطمینان قلب، خدا کی جانب توجہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ مایوسی کے وقت صرف اللہ تعالیٰ دلوں کو مضبوطی اور حوصلہ عطا کرتا ہے۔

۸۔ مصائب سے حفاظت اور برے اخلاق اور عمل سے تحفظ

اس دعا میں ان مصائب کا ذکر ہے جو انسانی شخصیت کو مجروح کرتے ہیں اس میں بتایا گیا ہے کہ گناہ کسی بھی نوع کا ہو فرد کے لئے باعث پشیمانی ہوتا ہے۔

۹۔ طلب مغفرت کے سلسلے میں اشتیاق

امور خیر اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے کاموں میں توفیق الٰہی کی دعا ہے۔ احساس عبودیت اور استغفار کا سبق ملتا ہے۔ جو بذات خود عبادت ہیں۔

۱۰۔ بارگاہ خداوندی میں طلب پناہ

اللہ تعالیٰ کے عدل اور اس کے انصاف سے امید کا ذکر ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے مکمل اور جامع ہونے اور بندے کے لئے بے بضاعت ہونے کا ذکر ہے۔

۱۱۔ انجام خیر کے لئے دعا

اس میں ذکر الٰہی کو اہل ذکر کے لئے باعث افتخار قرار دیا گیا ہے، حقیقت بھی یہ ہے اور اللہ کا وعدہ ہے کہ جو اس کا ذکر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا ذکر کرے گا۔ دعا میں انجام بخیر کی خواہش کی گئی ہے۔

۱۲۔ اعتراف گناہ اور طلب توبہ

اس میں بندے کی خدا کے احکامات سے سرتابی کا ذکر ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا اعتراف ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ہمیشہ مہربان رہتا ہے۔

۱۳۔ طلب حاجات

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کے حوالے سے اس کے بے پایاں احسانات کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیازانہ احسان کرتا ہے' حاجت براری کے لئے صرف خدا کی ذات استحقاق رکھتی ہے۔

۱۴۔ زیادتی' اور ظالموں کی جانب سے ناگوار باتوں پر

ظالم کی مذمت اور ظلم کی مذمت ظاہر ہوتی ہے۔ مظلوم کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبولیت کا اظہار ہوتا ہے' اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کے لئے عدل وانصاف طلب کیا ہے۔

۱۵۔ بیماری کے لئے دعا

اس میں صحت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا گیا ہے۔ جس میں اللہ کی رضا کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ بیماری کو باعث تشکر قرار دیا ہے کہ اس میں گناہوں سے بچا جاسکتا ہے۔ صحت کے لئے دعا مانگی گئی ہے۔

۱۶۔ گناہوں سے معافی اور عیبوں سے درگزر

اس میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی ذات سے امیدوں کی وابستگی کا اظہار ہے۔

وہ مغفرت پر قادر ہے اور عیوب سے درگزر کرتا ہے۔

۱۷۔ شیطان کے مکرو فریب سے بچنے کی دعا۔

۱۸۔ جب حاجت پوری ہو جاتی یا خطرہ رفع ہو جاتا۔

۱۹۔ قحط و خشک سالی میں بارش کے لئے۔

۲۰۔ پاکیزہ اخلاق کے لئے دعا۔

۲۱۔ رنج واندوہ کے موقع کی دعا۔

۲۲۔ سختی اور مشقت کے وقت کی دعا۔

۲۳۔ طلب عافیت۔

۲۴۔ والدین کے لئے دعا۔

۲۵۔ اولاد کے حق میں دعا۔

۲۶۔ دوستوں اور پڑوسیوں کے لئے۔

۲۷۔ سرحدوں کے محافظوں کے لئے۔

۲۸۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ اور خوف الٰہی۔

۲۹۔ طلب روزی کے لئے۔

۳۰۔ فرائض کی ادائیگی۔

۳۱۔ طلب توبہ کے لئے۔

۳۲۔ نماز شب کے بعد کی دعا۔

۳۳۔ دعائے استخارہ۔

۳۴۔ کسی کو گناہ میں ملوث دیکھنے پر۔

۳۵۔ قضا وقدر پر راضی ہونے کی دعا۔

۳۶۔ بجلی چمکتے وقت کی دعا۔

۳۷۔ اظہار شکر کے سلسلے میں۔

۳۸۔ عذر و طلب مغفرت۔

۳۹۔ طلب عفو و رحمت۔

۴۰۔ موت کو یاد کرنا۔

۴۱۔ گناہوں کی پردہ پوشی۔

۴۲۔ ختم القرآن۔

۴۳۔ رویت ہلال۔

۴۴۔ استقبال ماہ رمضان۔

۴۵۔ الوداع ماہ صیام

۴۶۔ عیدین اور جمعہ۔

۴۷۔ روز عرفہ۔

۴۸۔ عید الضحیٰ اور جمعہ

۴۹۔ دشمن کے مکرو فریب سے بچنے کے لئے۔

۵۰۔ خوف الٰہی۔

۵۱۔ عجز و زاری۔

۵۲۔ تضرع و زاری۔

۵۳۔ عجز و فروتنی۔

۵۴۔ رنج و الم دور کرنے کے لئے۔

صحیفہ سجادیہ کو صاحبان علم نے ہمیشہ نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ اس مجموعہ کی دعاؤں کے کوائف دعاؤں کی جامعیت پر ایک کلی گواہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان دعاؤں کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمیں اللہ کی بارگاہ میں کس طرح حرف مطلب زبان پر لانا ہے۔ کس موقع پر کیسے الفاظ سے اسے تخاطب پسند ہے۔

باب یازدہم

رسالہ حقوق

امامؑ کے آثار میں صحیفہ سجادیہ اور رسالہ حقوق محفوظ ہیں، جس میں اللہ تعالی والدین، استاد، پڑوسی، دوست، محسن، مشیر، برادر حقیقی ودینی تقریباً" چالیس حقوق بیان کئے ہیں، امامؑ نے حواس خمسہ کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں، اس طرح ان کی روشنی میں انفرادی واجتماعی حقوق کی نشاندہی ہوتی ہے۔ انفرادی حقوق سے ہر فرد اپنا تزکیہ نفس کرسکتا ہے، اجتماعی اور دیگر حقوق سے معاشرتی اقتدار میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ یہ حقوق اس قدر جامع ہیں کہ انسانی رشتوں کے جملہ کوائف کا احاطہ کرتے ہیں۔

۱۔ حق خدا

اس کی عبادت کرنے سے ادا ہوتا ہے اسے لاشریک سمجھنا چاہئے۔ اخلاص عبادت سے دنیا اور آخرت سنورتی ہے۔

۲۔ حق نفس

اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو عبادت الٰہی میں مصروف رکھا جائے۔

۳۔ حق زبان

زبان کو بے ہودہ گوئی سے روکنا اور اچھی باتوں میں مصروف رکھنا ہے لوگوں کے ساتھ خوش گفتاری ہے۔

۴۔ حق گوش

کانوں کو غیبت اور حرام چیزوں سے محفوظ رکھنا ہے۔

۵۔ حق چشم

آنکھوں کو حرام اشیاء کی طرف نہ پھیرو۔ عبرت کے مناظر سے نصیحت کرنا ہے۔

۶۔ حق دست

ہاتھ سے کوئی حرام کام نہ کرنا۔

۷۔ حق پا

حرام جگہوں پر نہ لے جانا ہے۔

۸۔ حق شکم

ضرورت سے زیادہ نہ کھانا اور حرام سے پرہیز ہے۔

۹۔ حق عورت

اس کو بے حیائی اور حرام امور سے بچانا۔

۱۰۔ حق نماز

بارگاہ الٰہی میں اس طرح حاضر ہونا چاہیے جیسے غلام عظیم ترین بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔

۱۱۔ حق حج

گناہوں سے استغفار کی طرف سفر کرنا ہے' حج توبہ کی قبولیت کا ذریعہ ہے۔

۱۲۔ حق روزہ

اس کا پردہ آتش جہنم سے نجات دیتا ہے اسے اپنے آتش جہنم کے درمیان پردہ سمجھنا چاہیے۔

۱۳۔ حق صدقہ

صدقہ آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے' آخرت میں جہنم سے نجات دیتا ہے' اس کا حق خدا کے پاس محفوظ ہے۔ اس کے لئے گواہ کی ضرورت نہیں۔

۱۴۔ حق قربانی

خدا کا نام لے کر ذبح کرنا اس سے صرف رضائے الٰہی طلب کرنا ہے۔

۱۵۔ حق استاد

احترام کرنا' باتیں غور سے سننا' اس کی برائیوں کی پردہ پوشی کرنا' اس کے دشمن کو

دوست اور دوست کو دشمن نہ بنانا۔

۱۶۔ حق شاگرد

اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم اہل دنیا کو دنیا' نرمی اور تواضع سے کام لینا علم میں بخل اللہ کو ناپسند ہوتا ہے۔

۱۷۔ حق زوجہ

خوش رفتاری اور خوش گفتاری سے پیش آنا' شرافت کا تقاضہ ہے کہ اس کے ساتھ نیکی کی جائے۔

۱۸۔ حق مادر

اس کے احسانات لاتعداد ہیں' ماں کے ساتھ فرمان برداری کا سلوک کرنا' شکر ادا کرنا' اور ہمہ وقت نیکی کرنا۔

۱۹۔ حق پدر

باپ کا اولاد پر حق ہے کہ اس کو اپنے وجود کا سبب سمجھنا' احسان مندی کا اظہار کرنا۔

۲۰۔ حق فرزند

تربیت کرنا' دین سے آشنا کرنا' نیک کاموں میں مدد کرنا۔ کیونکہ اس کی اچھی

تربیت کا ثواب اور بری تربیت کا عذاب والدین کے سر ہے۔

۲۱۔ حق برادر

دشمن کے مقابلہ میں اس کی مدد کرنا' ہمیشہ خیر خواہی کرنا' مگر بھائی کی محبت میں راہ حق سے نہیں بھٹکنا چاہیے۔

۲۲۔ حق محسن

شکریہ ادا کرنا' اس کا احسان ہمیشہ یاد رکھنا' اچھے الفاظ میں یاد کرنا' اس کے لئے دعا کرتے رہنا' اور احسان کا بدلہ احسان سے دینا۔

۲۳۔ حق امام جماعت

اس کے لئے نماز میں دعا کرنا' اس کی شکر گزاری کرنا۔

۲۴۔ حق ہم نشیں

نرمی وعدل وانصاف سے گفتگو کرنا' لغزشوں کو فراموش کرنا' خیر خواہی اختیار کرنا۔

۲۵۔ حق ہمسائیگی

موجودگی میں احترام اور عدم موجودگی میں اس کے حقوق کی پاسداری کرنا' عیوب کی پردہ پوشی کرنا' مشکل میں ساتھ دینا' لغزشوں سے درگزر کرنا۔

۲۶۔ حق دوست

مہربانی اور نرمی کا سلوک کرنا' احترام میں اس سے سبقت اختیار کرنا' اس کے لئے زحمت نہ بننا۔

۲۷۔ حق شریک

عدم موجودگی میں کفالت کرنا' اور موجودگی میں حقوق کی ادائیگی کرنا' مشورہ کے بغیر کچھ نہ کرنا' خیانت نہ کرنا' حقوق اور مال میں امانت داری کرنا۔

۲۸۔ حق مال

حلال سے مال حاصل کرنا' اور حلال امور میں صرف کرنا' اطاعت الٰہی میں خرچ کرنا' بخل نہ کرنا۔

۲۹۔ حق قرض خواہ

اگر ادائیگی کا امکان ہے تو بخل سے کام نہ لینا نرمی اور حسن اخلاق سے پیش آنا۔

۳۰۔ حق رفاقت

دھوکہ نہ دینا' اس کے معاملات میں خدا سے ڈرتے رہنا۔

۳۱۔ حق دشمن

ظلم وستم سے کام نہ لینا' ایسا کوئی عمل نہ کرنا جس سے خدا ناراض ہو' اگر عیب بھی لگائے تو حسن سلوک کرنا۔

۳۲۔ مشورہ دینے والے کا حق

مناسب اور صحیح ترین مشورہ دینا۔ اگر علم نہ ہو تو صحیح رہنمائی کے لئے کسی اور کے پاس بھیج دینا۔

۳۳۔ مشورہ کرنے والے کا حق

اگر تمہاری رائے کے مطابق نہیں ہے تو اس کو بدنام نہ کرنا اور اگر موافق ہو تو شکر ادا کرنا۔

۳۴۔ نصیحت کرنے والے کا حق

اچھی نصیحت کرنا' اور اس موقع پر مہربانی سے پیش آنا۔

۳۵۔ نصیحت پانے والے کا حق

تواضع سے پیش آنا' اگر نصیحت ٹھیک نہ ہو' تب بھی نرمی اختیار کرو۔

۳۶۔ بڑے بھائی کا حق

عزت واحترام سے پیش آنا' کسی معاملے میں پیش روی نہ کرنا۔

۳۷۔ سوال کرنے والے کا حق

یہ ہے کہ جو اس کی ضرورت ہو اسے پورا کیا جانا چاہئے۔

۳۸۔ سوال (جس سے کیا جائے) اس کا حق

اگر سوال پورا کر دے تو شکر ادا کرو۔ اور اگر معذرت کر لے تو خوش دلی سے عذر قبول کر لو۔

۳۹۔ جس نے خوش کیا اس کا حق

پہلے خدا کا اور اس کے بعد خوش کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا۔

۴۰۔ برا سلوک کرنے والے کے لئے

اس کا حق یہ ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے اگر یہ دیکھا جائے کہ وہ مزید تنگ کرے گا تو مناسب سزا دی جائے۔

۴۱۔ برادر دینی کا حق

سلامتی کی دعا کرنا' اصلاح کی فکر کرنا' اپنے اور اس کے لئے یکساں امور پسند کرنا' بزرگوں کے ساتھ اپنے والدین جیسا سلوک کرنا' جوانوں کو بھائی' اور چھوٹوں کو اولاد کے برابر سمجھنا۔

باب دوازدہم

نواصب

امام زین العابدینؑ نے ایسے ماحول میں زندگی بسر کی، جب حکمران، ان کے عامل اور سپہ سالار سب کے سب خاندان رسالت مابؐ کے شدید دشمن تھے۔ ان کی اہل بیتؑ سے دشمنی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ ہر معتبر تاریخ اس کی گواہ ہے کہ بنی امیہ کے حکمران، ان کے حواری اور وظیفہ خوار خاندان رسالتؐ سے دشمنی ایک فریضہ سمجھتے تھے۔ اس کی ابتداء امیر معاویہ نے کی۔ انہوں نے علیؑ پر بر سر منبر تبرا کا حکم دیا۔ جسے عمر بن عبدالعزیز نے ختم کیا۔ امیر معاویہ نے علیؑ کے حامیوں کی جان، مال اور آبرو کو مباح قرار دے دیا تھا۔ حضرت علیؑ کو بے دین مشہور کیا۔ اس کے حواری یہ سن کر حیران ہوتے تھے کہ علیؑ نماز پڑھتے ہیں۔ اس صورت حال نے بڑھتے بڑھتے حضرت علی بن حسینؑ یعنی امام زین العابدینؑ کے زمانے میں یہ صورت اختیار کرلی تھی کہ ایک حاکم کے بعد دوسرا حاکم علیؑ دشمنی کا اظہار کرتا تھا۔ سارے عامل علیؑ کا نام سننے کے روادار نہیں تھے، امام زین العابدینؑ نے جن لوگوں کی دشمنیوں کا عملی مظاہرہ دیکھا ان میں یزید، مروان بن حکم، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک کی حکمرانی تھی۔ ان کے عامل بھی کچھ کم نہیں تھے۔ عبیداللہ بن زیاد عمر ابن سعد، مسلم بن عقبہ، حصین بن نمیر، اور حجاج بن یوسف کی ظالمانہ کارروائیاں تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہیں۔

یزید نے جو کچھ کیا اس کا کوئی جواز نہیں تھا، اس نے واضح طور سے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا تھا۔ بعد میں وہ لوگوں کے اشتعال کو دیکھ کر ابن زیاد کو مجرم ٹھہرانے لگا، مگر ابن زیاد کے خلاف اس کی کارروائی کا ثبوت نہیں ملتا۔ جو اس کے مکر و فریب کا ثبوت ہے اس نے اپنے دربار میں بی بی زینبؑ سے براہ راست گفتگو کرتے ہوئے حضرت علیؑ کے بارے میں کہا تھا۔ ۴۴

"تیرے باپ دین سے نکل گئے تھے۔"

یہ ہے ناصبی ذہن کی ایک مثال۔ اس سے پہلے کے نواصب فی الوقت موضوع

بحث نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم نے ان ناصبی افراد پر گفتگو ملحوظ رکھی ہے جن کا عہد امام زین العابدینؑ نے خود ملاحظہ کیا ہے ان میں یزید سرفہرست ہے' اگرچہ اس وقت تک ناصبیوں کی ایذا رسانی کا مرکز اور براہ راست ہدف امام سجادؑ کی ذات نہیں تھی۔ مگر وہ ان تمام تکالیف میں برابر کے شریک تھے۔ جن سے اہل بیت کو گزرنا پڑتا تھا۔ واقعہ کربلا کے بعد امام زین العابدینؑ دشمن کے براہ راست زد پر آگئے تھے' انہیں مخالف پروپیگنڈے کا سدباب کرنا پڑتا تھا اور اپنے اہل خاندان کے امتیازات کی حفاظت کرنا تھی۔

مروان بن حکم بھی ناصبیت کا علمبردار تھا۔ یہ حضرت عثمانؓ کا چچا زاد بھائی تھا اور داماد تھا۔ اس کے دل میں اہل بیت کی دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ یہ شخص امام حسنؑ کی موجودگی میں حضرت علیؑ اور امام حسنؑ پر سب وشتم کیا کرتا تھا۔ امام حسنؑ نے مزاج کی مصالحت پسندی کی وجہ سے اس سے دور بیٹھنا شروع کر دیا تھا' وہ اہل بیت کو ملعون کہا کرتا تھا۔۴۵۔ امام حسن علیہ السلام زہر کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ انہوں نے حضورؐ کے قریب دفن ہونے کی وصیت کی تھی۔ مروان بن حکم انہیں اس جگہ دفن کرنے میں مانع ہونے والوں میں شامل تھا۔ اور اس بات کا اظہار کرتا تھا کہ اس کی قبائلی عصبیت نے اسے اس اقدام پر مجبور کیا۔ کیونکہ اس کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ جو اموی تھے عام قبرستان میں دفن ہوں اور اہل بیتؑ کا ایک شخص رسولؐ کے حجرے میں دفن ہو۴۶۔ (ابن جوزی تذکرہ خواص)

مروان بن حکم ہی وہ شخص ہے جس نے حاکم مدینہ کو امام حسینؑ کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سے خوش نہیں تھیں۔ وہ کہتی تھیں ۴۷۔

"میں چاہتی ہوں کہ چکی کا پاٹ باندھ کر تجھے سمندر میں ڈبو دیا جائے۔"

جنگ جمل میں جناب طلحہ کو اسی شخص نے قتل کیا۔

مروان نے ایک بار جناب عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی شان میں گستاخی کی جس پر مروان کو ام المومنینؓ نے سخت سرزنش کی اور کہا کہ تو بے وقعت اور چغل خور شخص

ہے

مروان بن حکم اقتدار کی خواہش میں اخلاقی حدود سے بھی تجاوز کر گیا تھا۔ اسے یہ خدشہ تھا کہ یزید کی بیوہ فاختہ کا بیٹا خالد اس کے لئے خطرناک ثابت نہ ہو اس خطرے سے بچنے کے لئے اس نے خالد کی ماں یعنی فاختہ سے شادی کر لی۔ اس کے ایک مشیر عمر بن سعید نے اسے مشورہ دیا ہے۔۴۸

"لوگوں کی نظر خالد پر پڑتی ہے تو اس کی ماں سے نکاح کر لے۔ اس طرح وہ تیرا فرزند ہو جائے گا۔"

مروان بن حکم اس طرح خالد کو ذلیل کرنا چاہتا تھا' ایک دن خالد مروان سے ملنے آیا تو مروان نے اس کی بے حد تضحیک کی۔ کہنے لگا۔

"اے موٹی سیرین والی کے بیٹے۔ آؤ۔"

خالد نے اپنی ماں سے شکایت کی۔ اس نے یہ امر مروان سے چھپائے رکھا کہ مروان نے اس کو کس طرح ذلیل کیا ہے۔ وہ ایسی رہی جیسے اس واقعے سے بے خبر ہے۔ ایک دن اس نے بہت سے گدے مروان کے منہ پر رکھ دیئے اور دبا کر مار ڈالا۔

عبدالملک بن مروان بہت عبادتیں کیا کرتا تھا' جب اسے حکومت کی خوشخبری ملی تو اس وقت بھی یہ شخص قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ خوشخبری ملتے ہی وہ کپڑے جھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔ قرآن مجید کو بند کر کے ایک طرف رکھ دیا اور کہنے لگا۔

"بس آج سے میرا اور تیرا تعلق ختم ہوا۔"

حجاج بن یوسف کی اہل بیت سے دشمنی بہت معروف ہے۔ عبدالملک نے اس ظالم اور دشمن اہل بیتؑ کو گورنر بنایا تھا' اسے ہر قسم کی رعایت دے رکھی تھی۔ مرتے وقت بھی اپنے ورثاء کو یہی نصیحت کرتا تھا کہ حجاج کا لحاظ رکھنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے۔

عبدالملک کی طبیعت میں درشتگی بہت تھی وہ کہتا تھا۔

"میں ہر چیز کا علاج اپنی تلوار سے کر سکتا ہوں۔"

عبدالملک نے حجاج بن یوسف کی مطلقہ ہند بنت نعمان بن بشیر کو شادی کا پیغام بھیجا تو اس عورت نے یہ شرط عائد کی کہ حجاج بن یوسف (اس کا سابق شوہر) اس کے اونٹ

کی لگام تھام کر دمشق تک لے کر جائے۔

عبدالملک بڑی شان سے کہتا تھا۔

"میں انسانوں کا خون پیتا ہوں۔"

عبدالملک ہی تھا جس سے امام زین العابدینؑ نے فرمایا تھا۔

"میرے والد گرامی کے قاتل نے ہماری دنیا برباد کی' اور میرے والد نے اپنے مظلومانہ قتل سے اس کی آخرت تباہ کردی۔ اگر تم بھی کوئی ارادہ رکھتے ہو تو کر گزرو۔"

عبدالملک بن مروان کو ایک بار معلوم ہوا کہ امامؑ کا اثر و رسوخ بہت ہے اور لوگ ان کا احترام میں بے حد پرجوش واقع ہوئے ہیں تو اس کو یہ خدشہ پیدا ہوا کہ امام لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے اقتدار کے لئے خطرہ نہ بن جائیں۔ اس نے امام کو قید کرنے اور دمشق بھیجنے کا حکم دیا۔ امامؑ کو اس طرح دمشق بھیجا گیا کہ ان کے پیروں میں زنجیریں' ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گلے میں بھاری طوق پہنایا گیا۔

امامؑ عبادت میں مصروف رہتے تھے اور ان کے روابط بہت کم تھے انہیں خود احساس تھا کہ اقتدار کے خوف اور حکومت کی جانب سے دیئے گئے لالچ نے لوگوں کو حق پرستی سے دور کر دیا ہے۔ اس لئے وہ اقتدار کی بساط سے خود کو دور رکھتے تھے۔ اس کے باوجود حاکم وقت ان سے خائف رہتا تھا۔

امامؑ نے جو حکمت عملی اختیار کی تھی' اس کا بنیادی اصول تصادم سے گریز تھا۔ امامؑ حتی الوسع تصادم سے پرہیز کرتے تھے۔ ان کی حکمت عملی یہ تھی کہ لوگوں کو اپنے خاندان کی طرف متوجہ رکھیں اور اپنے کردار سے انہیں بتائیں کہ اسلام اہل بیتؑ کے پاس ہے۔ اور مخالفوں نے محض لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ مخالف بھی حج کرتے تھے' نماز پڑھتے تھے' دیگر ارکان بجالاتے تھے' مگر ان کا دامن' کردار سے عاری تھا۔ امام نے اپنی زندگی مخالفوں کی اسی تہی دامنی کو اجاگر کرنے میں بسر کردی تھی۔

ولید بن عبدالملک ایک جاہل اور ظالم شخص تھا۔ اس کے تمام گورنر ظالم' اور سفاک تھے۔ ان کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی رائے تھی کہ ان لوگوں نے تمام دنیا کو ظلم سے بھر دیا ہے۔ ولید نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق حجاج کی پذیرائی میں کمی نہیں آنے دی۔ اس نے سازش کر کے امام زین العابدینؑ کو زہر دلوا دیا۔

ولید حجاج بن یوسف کو اس قدر صاحب الرائے سمجھتا تھا کہ اس نے حجاج کی رائے پر جناب عمر بن عبد العزیز کو حجاز کی گورنری سے معزول کر دیا تھا۔

(ابن خلدون دوم ۲۵۴)

حجاج بن یوسف کی اہل بیت سے دشمنی کے واقعات گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔ اس نے سعید بن جبیر کو شہید کیا۔ اس شخص نے ایسے لوگوں کو انعامات سے نوازا جن لوگوں نے کہا کہ ان کے خاندان میں علیؑ" حسنؑ" حسینؑ" اور فاطمہؑ" نام نہیں رکھے جاتے۔ اس نے محمد بن قاسم کو حکم دیا کہ حکومت کے ایک مخالف کو علیؑ پر تبرا کرنے کے معاوضہ میں معافی دی جا سکتی ہے۔

امام زین العابدینؑ نے ایسے سفاک اشخاص اور علیؑ دشمن دور میں رہ کر ایک جہاد عظیم انجام دیا۔ امامؑ نے ایسے دشمنوں کی موجودگی میں شریعت کی تبلیغ کی۔ خاندان رسالتؐ کا وقار بلند رکھا۔ اور اپنے پیروؤں کی تربیت پر توجہ دی۔

حجاج بن یوسف نے اپنے پیش رو مسلم بن عقبہ اور حصین بن نمیر کی طرح اہل مکہ پر ظلم و ستم کی کارروائی کی۔ مسلم بن عقبہ یزید کے عہد میں اہل مدینہ کا تین روز تک قتل عام کر چکا تھا۔۴۹۔ ابن نمیر نے خانہ کعبہ پر سنگ باری جیسا مجرمانہ فعل کیا۔۵۰۔

طبری میں تو یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مسلم بن عقبہ تو اہل مدینہ کے قتل عام پر اظہار مسرت کرتا تھا' وہ کہتا تھا۔

"کلمہ کے بعد جو عمل خیر میں نے کیا ہے۔ وہ اہل مدینہ کا قتل عام ہے۔"

مسلم بن عقبہ اور حصین بن نمیر کی طرح' اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حجاج بن یوسف نے مدینہ منورہ کی حرمت کا ذرہ برابر لحاظ نہ رکھا۔ اس نے جناب عبداللہ زبیر کو پسپا کرنے اور انہیں زک پہنچانے کے لئے خانہ کعبہ پر سنگ باری کی۔۵۱۔ حجاج بن یوسف نے اس لڑائی میں فتح حاصل کی۔ عبداللہ بن زبیر سخت جنگ کر کے قتل ہوئے۔ ان کا سر کاٹ کر حجاج بن یوسف کے سامنے پیش کیا گیا۔ حجاج نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اور اس کے رفقاء نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

حجاج بن یوسف نے ایک مسلمان سے جنگ کو بھی شاید جہاد سمجھ رکھا تھا۔ غالباً" بنی امیہ ہر معاملہ میں اپنے اقدامات کو دینی لبادہ اوڑھانے کے عادی ہو چکے تھے۔

حجاج بن یوسف نے مکہ مکرمہ کے بعد مدینہ منورہ کا رخ کیا' اس نے اہل مدینہ کی ذلت کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اس نے اصحاب رسولؐ کی توہین کو اپنا وطیرہ بنا رکھا تھا۔ وہ سیسہ گرم کر کے اصحاب رسولؐ کے جسم داغ دیتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ سب قتل عثمانؓ کا بدلہ ہے' یہ بات سب جانتے ہیں کہ بنی امیہ حضرت عثمان کا قاتل کس کو ٹھہراتے تھے۔

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد بنی ہاشم کی خواتین کا گریہ سن کر اموی عامل نے اسے قتل عثمانؓ پر بنی امیہ کی خواتین کا گریہ کا بدل قرار دیا تھا۔ ایسی صورت میں حجاج بن یوسف نے اہل بیتؑ کے ساتھ جو رویہ رکھا' وہ بنی امیہ کے عمومی رویئے سے مختلف نہیں تھا۔ گزشتہ صفحات میں جناب سعید بن جبیرؓ اور جناب عطیہ کے واقعات اس ضمن میں کافی ثبوت مہیا کر سکتے ہیں۔

حجاج کو ایک بار ابن اشعث کو شکست دے کر کوفہ پر قبضہ کا موقع ملا۔ اس نے وہاں لوگوں کو قتل کرنے کا ایک عجیب وغریب طریقہ نکالا۔

وہ ہر شخص کو بلا کر کہتا تھا کہ وہ اپنے کافر ہونے کا اقرار کرے۔۵۲ جب کوئی اس کا انکار کرتا تھا تو وہ اسے قتل کر دیتا تھا۔ اہل کوفہ سے حجاج بن یوسف کا بغض وعناد اسی سبب سے تھا کہ وہاں بعض لوگ اس زمانے تک علیؑ کی محبت پر برقرار تھے۔ اہل کوفہ میں حضرت علیؑ کے محب کمیل بھی تھے جنہیں محبت علی کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔

حجاج اپنے ظلم وستم میں اس قدر طاق تھا کہ اس ضمن میں کچھ بھی سننے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ولید کو حجاج کے "ظلم وستم لکھ کر بھیجے تو حجاج نے جواباً" ان پر الزام لگایا کہ وہ حکومت کے باغیوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتے ہیں۔ اور انہیں حجاز کی گورنری سے معزول کر دیا۔۵۳

حجاج نے جناب سعید بن جبیرؓ کو قتل کیا تو اس کے بعد وہ تقریباً" دیوانہ ہو گیا تھا۔ اسے خواب میں جناب سعید بن جبیرؓ نظر آتے تھے اور کہتے تھے۔

"اے اللہ کے دشمن تو نے مجھے کس جرم میں تہ تیغ کیا۔"

حجاج بن یوسف اپنے ظلم وستم کا دور پورا کر کے آخر کار ماہ شوال ۹۵ ہجری کو اپنے انجام کو پہونچا۔ اس نے مختلف عہدوں پر اپنی پسند کے لوگ مقرر کئے۔ اپنا قائم مقام

اپنے بیٹے عبداللہ کو بنایا۔

ولید بن عبدالملک نے اپنے باپ کی وصیت پر اس وقت بھی عمل جاری رکھا۔ اس نے حجاج بن یوسف کے مقرر کردہ مناصب پر اس کے تعین کردہ افراد کو من و عن قبول کر لیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ولید بن عبدالملک حجاج بن یوسف کے تمام اعمال کا ذمہ دار تھا تو بے جا نہ ہوگا۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے ناصبی حکمرانوں کے زمانے میں کس احتیاط اور بے چینی میں گزاری ہوگی اس کے لئے نواصب حاکموں کے حالات زندگی گواہی دے رہے ہیں۔ یہ ظالم اقتدار اور ہوس دولت میں اپنے عزیزوں' دوستوں اور اقارب کو نہیں بخشتے تھے۔ اہل بیتؑ تو ان کی لئے ناقابل برداشت تھے۔ ایسے پر آشوب دور میں جب دشمن کثرت میں ہوں اور مخلصین کم ہوں' امامؑ کو اپنا مشن جاری رکھنا تھا۔

یہ مشن اہل بیتؑ کے احترام کو مجروح ہونے سے بچانا' اسلامی عقائد کی تبلیغ' دینی فراست کو وسعت دینا' اور ایسے افراد کی ذہنی تربیت فراہم کرنا تھی' جو آپ کے اس مشن میں ممدومعاون ثابت ہوں۔ یہ سب ایسی صورت حال میں تھا۔ جب حکمران آپ کے ایک ایک عمل پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ اور ایذا دینے کا حیلہ تلاش کرتے تھے۔ جب ہشام بن عبدالملک کو حج کرنے میں اور طواف کرنے میں دشواری ہوتی اور اس نے دیکھا کہ امامؑ کو لوگوں نے بصد احترام موقع دیا تو اس نے اپنے باپ کو بھڑکا کر آپؑ کو بے حد رسوا کن طریقہ سے قید کروا کر دمشق طلب کرایا۔

امامؑ نے اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اپنی ایک کنیز آزاد کرکے اس سے نکاح فرمایا۔ یہ بات عبدالملک تک پہنچا دی گئی۔ حالانکہ یہ بات کوئی عیب نہیں تھی' اس معاشرے میں کنیزیں اور غلام عام بات تھی شاید کنیز کو آزاد کرنا' اور اس کا مرتبہ بلند کرنا عبدالملک کو عجیب و غریب لگا اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امام کو لکھا۔

"آپ نے نجیب اور شریف عورتوں کو چھوڑ کر ایک کنیز سے شادی کر لی۔ یہ امر بہت تعجب خیز ہے۔ آپ نے اپنی بزرگی کا بھی خیال نہیں کیا۔"

امام نے عبدالملک کا خط پڑھا۔ اگرچہ اس وقت لوگ خلیفہ وقت کے خط سے

مرعوب ہوجاتے تھے۔ اور اس کے رد عمل میں کسی قسم کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے' لیکن امامؑ نے جرات مندی کے ساتھ اس کا جواب لکھا۔

"تمہاری طرف سے میری سرزنش کا خط مجھے ملا' تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے زیادہ صاحب شرافت کوئی شخص نہیں ہے' ہم اعلےٰ نسب سے ہیں۔ کسی شریف اور نجیب عورت سے شادی کرنا ہمارے لئے باعث فخر نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے باعث فخر ہوگا۔ تم یہ بھی سمجھ لو کہ اسلام نے ہر قسم کی پستی اور کمی کو ختم کردیا ہے۔"

امامؑ کے ایک ایک عمل کو حکومت کڑی نگاہ سے دیکھتی تھی' اور اس کے کارندے ذرا ذرا سے معاملے کو حاکم وقت کے گوش گزار کرتے تھے' دوسری طرف مخلص افراد کی کمی تھی۔ حکومت نے معاشی وسائل پر قبضہ کرکے تمام لوگوں کو اپنا مطیع ہونے پر مجبور کردیا تھا۔ حکومت کے ظالم کارندے رعایا کی معمولی سی بیداری پر تشدد پر اتر آتے تھے۔ عوام دل سے امامؑ کا احترام کرتے تھے۔ عوام کے دل میں امام کی عظمت موجود تھی۔ مگر حالات نے لوگوں کو مجبور بنا رکھا تھا' ایسا ہر دور میں ہوتا ہے بنی امیہ نے لوگوں کی معاشی ضرورتوں اور وسائل پر قبضہ جما رکھا تھا۔ اور انہیں اپنے جال میں جکڑ رکھا تھا اس کے باوجود اہل حق کم ہونے کے باوجود اظہار حق کرہی دیتے تھے۔ ابن زیاد کے دربار میں' یزید کے دربار میں اور حجاج بن یوسف کے سامنے محبان علیؑ نے محبت کا اظہار کیا۔ اگرچہ اس میں ان کے سر قلم ہوگئے۔ تاہم مخلصوں کی تعداد کم تھی۔ خود امامؑ نے ایک بار فرمایا۔

"اگر میرے پاس باایمان' وفادار' اور خدا کار اصحاب ہوتے تو میں جہاد اختیار کرتا۔"

(احتجاج طبرسی)

اشاریہ

۱۔ تاریخ عاشورہ	ڈاکٹرابراہیم آیتی
۲۔ علیؑ شخصیت اور کردار	عباس محمودالعقاد نفیس اکیڈمی
۳۔ تاریخ یعقوبی	
۴۔	
۵۔ تابعین	شاہ معین الدین ندوی
۶۔ تاریخ عاشورہ	ڈاکٹرابرہیم آیتی
۷۔ علیؑ اور فرزندان علیؑ	طہٰ حسین
۸۔ شاہ شہیداں	عباس محمودالعقاد نفیس اکیڈمی
۹۔ تذکرہ خواص	علامہ جوزی مکتبہ تعمیروادب لاہور
۱۰۔ انقلاب حسینؑ	محمد مہدی شمس الدین
۱۱۔ تاریخ طبری	جلد چہارم، ترجمہ حیدر علی طباطبائی نفیس اکیڈمی
۱۲۔ تذکرہ خواص	جوزی
۱۳۔ تاریخ طبری	جلد چہارم نفیس اکیڈمی
۱۴۔ ابن خلدون	جلد دوم ترجم حکیم احمد حسین
۱۵۔ تاریخ طبری	جلد چہارم نفیس اکیڈمی
۱۶۔ ابن خلدون	جلد دوم نفیس اکیڈمی
۱۷۔ ابن خلدون	جلد دوم نفیس اکیڈمی
۱۸۔ ابن خلدون	جلد دوم نفیس اکیڈمی
۱۹۔ ابن خلدون	جلد چہارم نفیس اکیڈمی
۲۰۔ ابن خلدون	جلد دوم

۲۱۔ ابن خلدون	جلد دوم
۲۲۔ ابن خلدون	جلد دوم
۲۳۔ سیرت النبیؐ	جلد اول شبلی نعمانی
۲۴۔ سیرت النبیؐ	جلد اول شبلی نعمانی
۲۵۔ سید الصالحین	مولانا عارف حسین
۲۶۔ طبری	جلد چہارم نفیس اکیڈمی
۲۷۔ طبری	جلد چہارم
۲۸۔ امام زین العابدینؒ	عبد العزیز سید الاھل ترجمہ عبد الصمد صارم
۲۹۔ امام زین العابدینؒ	عبد العزیز سید الاھل
۳۰۔ ابن خلدون	جلد دوم
۳۱۔ حواشی صحیفہ	مفتی جعفر حسین
۳۲۔ امام ابو حنیفہؒ	محمد ابو زہرہ مصری ترجمہ رئیس احمد جعفری
۳۳۔ ابن سعد	
۳۴۔ تابعین	شاہ معین الدین ندوی
۳۵۔ طبری	جلد پنجم نفیس اکیڈمی
۳۶۔ طبری	جلد پنجم نفیس اکیڈمی
۳۷۔ تاریخ طبری	جلد پنجم نفیس اکیڈمی
۳۸۔ تابعین	شاہ معین الدین ندوی
۳۹۔ تابعین	شاہ معین الدین ندوی
۴۰۔ تابعین	″
۴۱۔ تابعین	″
۴۲۔ تابعین	″
۴۳۔ حواشی صحیفہ کاملہ	مفتی جعفر حسین
۴۴۔ طبری	جلد چہارم
۴۵۔ ابن سعد	

۴۶۔ ابن سعد

۴۷۔ طبری — جلد چہارم

۴۸۔ طبری — جلد چہارم

۴۹۔ ابن خلدون — جلد دوم نفیس اکیڈمی

۵۰۔ تاریخ طبری — جلد چہارم نفیس اکیڈمی

۵۱۔ ابن خلدون — جلد دوم نفیس اکیڈمی

۵۲۔ ابن خلدون — نفیس اکیڈمی

۵۳۔ ابن خلدون — حصہ دوم نفیس اکیڈمی

نوٹ :۔ باب، یازدہم (رسالہ حقوق) کے سلسلے میں قم سے شائع شدہ کتاب "امام زین العابدین" کے اردو ترجمے (مترجم سید احمد علی عابدی) اور مولانا جاوید جعفری کے رسالہ حقوق سے مدد لی گئی ہے۔

حوالہ کتب

- صواعق محرقہ
- طبری
- طبقات ابن سعد
- تابعین — معین الدین ندوی
- نظام زندگی — علامہ سید علی نقی
- انقلاب حسین — شیخ محمد مہدی شمس الدین — مترجم : محسن علی نجفی
- امام زین العابدینؑ — عبدالعزیز سید الاہل — مترجم : عبدالصمد صارم الازہری
- مکتب تشیع — شیخ محمد رضا مظفر — مترجم : ڈاکٹر سہیل بخاری
- تاریخ ابن خلدون
- علیؑ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں — طٰہٰ حسین — مترجم : عبدالحمید نعمانی